بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۲۶۹

طریق تسمیہ

برائے علم کیمیا

مجوّزہ

چودھری برکت علی بی۔ ایس سی۔ (علیگ)

رکن شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ
فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

مطبوعہ دار الطبع سرکار عالی

۱۹۱۸ع

عرض حال

یہ مضمون ایک کمیٹی میں پیش کیا گیا تھا جو زیرِ صدارت جنابِ معلی القاب **نواب عماد الملک** بہادر منعقد ہوئی۔ کمیٹی مذکور میں حسبِ تحریک صدارت یہ قرار پایا کہ اِس مضمون کو **جامعۂ عثمانیہ** کے شعبۂ تالیف و ترجمہ کی طرف سے طبع کروا دیا جائے۔

اِن اوراق میں اِس بات سے بحث کی گئی ہے کہ علمِ کیمیا میں تسمیہ کا طریقہ کیا ہونا چاہئے۔ جو لوگ اِس علم کے دقائق اور اِس کی مشکلات سے واقف ہیں وہ بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ کام کیسی کیسی دشواریوں سے بھرا ہؤا ہے۔ جہاں تک مجھ سے ہوسکا ہے میں نے اِس بات کی کوشش کی ہے کہ اِس مطلب کے لئے ایک ایسا اسلوب تلاش کرلیا جائے جو علمِ کیمیا کے مطالب بیان کرنے کے لئے **بہترین اسلوب** ثابت ہو۔ اب میرے خیالات کو غور کی نگاہ سے دیکھ لینے کے بعد اربابِ بصیرت اِس بات کا فیصلہ کرسکتے ہیں کہ میں اِس تلاش میں کہاں تک کامیاب ہؤا ہوں اور میری تجویزیں اپنی نوعیت کے اعتبار سے کس حد تک علمی **ضروریات** کو پورا کرسکتی ہیں۔

میں نے اِس مضمون میں اِس قسم کی آزادیوں سے کام لیا ہے جو **اصولِ السنہ** اور خصوصاً اردو کی فطرت، کے

عین مطابق ہیں۔ لیکن اِس پر بھی میرے بعض احباب اِن آزادیوں کے جواز کے قائل نہیں۔ اس لئے مجھے خوف ہے کہ اُردو دان اصحاب کا ایک گروہ میرے خیالات کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھیگا۔ اِس گروہ کی خدمت میں یہ بات عرض کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اِن اوراق میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس پر غور کرتے وقت اِس بات کو بھی نگاہ میں رکھنا چاہئے کہ جو کچھ لکھ رہا ہوں **علوم و فنون** کے لئے لکھ رہا ہوں اور جن آزادیوں کا طلبگار ہوں وہ روز مرہ کے مطالب اور شاعرانہ خیالات کے اظہار کے لئے نہیں بلکہ علوم و فنون کے **اصطلاحی الفاظ** کے لئے درکار ہیں۔ پھر اِس بات کا بھی یقین دلا دینا چاہتا ہوں کہ یہ آزادیاں **اصطلاحات** تک ہی محدود رہینگی اور اِن سے صرف اُن مقامات پر کام لیا جائیگا جہاں اِن کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا۔

افسوس ہے کہ اِس مضمون میں مجھے بہت سا وقت اِس قسم کی بحثوں میں صرف کردینا پڑا جو حقیقت میں نفسِ فن سے متعلق نہیں۔ یہی وقت اصلی فن پر صرف ہوتا تو فائدہ سے خالی نہ رہتا۔ لیکن کیا کیا جاے۔ میری مجبوریوں کا یہ عالم ہے کہ اُردو کی حفاظت کے دعووں سے، حرف حرف پر اور اکثر بلاوجہ میرا قلم پکڑ لیا جاتا ہے۔ فقط

برکت علی

فرخندہ بنیاد حیدرآباد۔ دکن۔ ۱۹ر آذر ۱۳۲۸ف مطابق ۲۴ر اکتوبر ۱۹۱۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم





تسمیہ کی بحث میں الجھنے سے پہلے اِس بات کا تصفیہ ضروری ہے کہ اِس مطلب کے لئے کونسی زبان اختیار کی جائے۔ ہندوؤں کی خواہش اُنھیں گھسیٹ کر سنسکرت میں لے گئی ہے۔ اور مسلمانوں کی خواہش غالباً یہ ہوگی کہ اِس تمام عمارت کو عربی کے مسالہ سے تیار کیا جائے۔ اور لطف یہ کہ جو کچھ کرنا ہے وہ ہندوستان کے لئے کرنا ہے۔ اور ہندوستانیوں کی زبانیں اِن دونوں زبانوں سے اِتنی آشنا نہیں کہ کیمیا کو کلیتہً اِن کے سپرد کر دیا جائے۔ پھر دوسری دِقت یہ ہے کہ اِن زبانوں کے الفاظ تو ہم لے سکتے ہیں۔

لیکن اِن کی صرف و نحو کو اُردو کی صرف و نحو میں داخل نہیں کر سکتے۔ اور جب تک یہ نہ ہو الفاظ کو اِس طرح مربوط کر لینا ممکن نہیں کہ اُس سے ایک مربوط اور مسلسل فن کی ضروریات پوری ہو جائیں۔

مجھے اِس وقت سنسکرت سے بحث نہیں۔ نہ اُس سے اِتنا واقف ہوں کہ کیمیا کے لئے اُس کی طاقت کا اندازہ کر سکوں۔ اِس کے متعلق صرف اِتنا کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستانیوں کے لئے یہ زبان بھی اب ایک اجنبی زبان ہے۔ عربی کے بارے میں البتہ زیادہ کُھل سکتا ہوں۔ باقی مسلمانوں کی طرح میرے جذبات بھی اِسی امر کے متمنی ہیں کہ عربی کو ترجیح کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ لیکن پھر اِس کا کیا علاج ہے کہ زمانہ کی ضروریات ہماری خواہش کی پابند نہیں۔ جہاں تک مجھ سے ہو سکتا تھا میں نے اِس زبان پر بخوبی غور کیا ہے اور تمام نشیب و فراز کو دیکھ لینے کے بعد اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عربی میں اِتنی وسعت نہیں کہ تنہا اِن مشکلات سے عہدہ بر آ ہو سکے۔ میرے مخدوموں کو اِس خیال سے رنجیدہ نہ ہونا چاہیئے کہ میں عربی کے نقصِ وسعت کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ آج دنیا میں کوئی ایک زبان بھی ایسی نہیں جو کیمیائی تسمیہ کی ضروریات کو

تنہا پورا کرسکتی ہو۔ خود یورپ ہی کو دیکھ لیجے۔ وہاں کی زبانیں وسعت اور جامعیت کے اعتبار سے منتہائے کمال پر پہنچی ہوئی ہیں۔ اور اس پر بھی حال یہ ہے کہ کوئی ایک زبان تنہا اِس کام کے لئے کافی نہیں۔ پھر ایسے شریف و مفید فن کو جذبات پر قربان کردینے سے کیا حاصل ؟

میں اس اصول سے بھی واقف ہوں کہ کیمیا کو ایک International (بین الاقوامی) چیز ہونا چاہیئے۔ اِس بناء پر سب سے پہلے اِس امر کا لحاظ ضروری تھا کہ اس فن میں وہی طریقِ تسمیہ اختیار کیا جائے جو یورپ میں مروج ہے۔ لیکن اس میں چند در چند مشکلات ہیں۔ جن میں سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ہمارا طرزِ تحریر یورپ کے طرزِ تحریر سے جداگانہ ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ یورپ کے الفاظ کو ہم بلا تغیر اپنے حروف میں لکھ لیں۔ علاوہ بریں یورپ کی زبانیں ہماری زبان سے اِس قدر غیر متعلق ہیں کہ ہماری زبان میں اُن کے الفاظ کا داخلہ باہیں کثرت ممکن نہیں۔ اور اگر اِن الفاظ کو بزور داخل کر لیا جائے تو یہ داخلہ "حلوہ میں ہڈی" کا داخلہ ہوگا۔ مجبوراً ان خیالات کو ادا کرنے کے لئے اپنی زبان میں سامان پیدا کرنا پڑیگا۔ اور کیمیا کے طریقِ تسمیہ میں اِس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ وہ ملک جن کی

زبانیں ہماری زبان کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں، کم از کم اُن کے ساتھ Internationality کا خیال ملحوظ رہے۔
کیمیا ایک ایسا فن ہے کہ کوئی ملک تنہا اِس کی ضروریات کو پورا نہیں کرسکتا۔اِس لئے اِس فن کی زبان میں Internationality کا **رنگ** نہایت ضروری ہے۔
ہم اِس رنگ کو نظر انداز کردینگے تو زمانہ کو اِس کا علاج کرنا پڑیگا۔جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری کوششوں کا ایک بڑا حصہ بیکار جائیگا اور ہماری **ملکی زبان** کی ترقی کے ساتھ ساتھ **فن کی ترقی** بھی سُست رہیگی۔

مذہب اور **قومیت** کے اعتبار سے ہمارے International (بین الاقوامی) تعلقات اُن ملکوں سے ہیں جہاں عربی، فارسی، اور ترکی زبان کا رواج ہے۔ اور **قرب و معاشرت** کے اعتبار سے ہمارے International (بین الاقوامی) تعلقات **ھندوؤں** کے ساتھ ہیں۔ اور اِن ہی کی زبان، ہماری زبان کا عنصرِ غالب ہے۔ اِن حالات کی موجودگی میں اگر عربی، فارسی، ترکی بولنے والوں کی رعایت ضروری ہے تو وہ جو شب و روز ہمارے پہلو میں رہتے ہیں اور روز مرہ کے کاروبار میں ہمارے ساتھ دوش بدوش چلتے ہیں، اُن کی رعایت اِس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ کیمیائی تسمیہ میں ہم

اِس رعایت کو ملحوظ نہ رکھینگے تو ہماری اختیار کی ہوئی زبان کبھی مقبول نہیں ہوسکتی ۔ زبانیں جبری حکومت کی بندشوں سے آزاد اور اپنے مخصوص دستور کی پابند رہا کرتی ہیں ۔ پھر آج ہمارے بازوؤں میں تو اِتنا زور بھی نہیں کہ اہلِ زبان سے جو چاہیں بزور سنوالیں ۔ علاوہ بریں ہم جو کچھ تیار کر رہے ہیں اُس میں ہندو اور مسلم کی تخصیص نہیں ۔ وہ تو ہندوستان اور اُردو زبان کے لئے ہے ۔

اِس مضمون کا ایک اور پہلو بھی نگاہ میں رکھنے کے قابل ہے ۔ اگر ہم اِس بات کا تہیہ کرلیں کہ نفسِ فن میں خواہ کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہوجائے ہم عربی ہی کو توڑ مروڑ کر اس فن کی زبان تیار کرینگے تو اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا تہیہ کس کے بھروسے پر ہوگا ۔ عربی بلاشبہ ہماری قومیت کی جان ہے ۔ اور اگر زندہ رہنا مقصود ہے تو اس کی ترویج کے لئے ہمیں سر توڑ کوشش کرنا چاہیئے ۔ لیکن اِس وقت جو کام ہمارے پیشِ نظر ہے اُسے موجودہ عربی پورا نہیں کرسکتی ۔ ناچار تراش خراش سے کام لینا پڑیگا ۔ اور اِس تراش خراش کا دائرہ بھی نہایت وسیع ہوگا ۔ پھر کیا اِس بات کا یقین ہے کہ عرب ہمارے ہاتھوں کی مرتب کی ہوئی عربی کو قبول

کرینگے ؟ یہ کام حقیقت میں شامیوں اور مصریوں کے
کرنے کا تھا۔ لیکن اِن دونوں کی پست ہمتی کا یہ عالم
ہے کہ شامی اِدھر متوجہ ہی نہ ہوئے اور مصریوں کو
زمانہ نے کورانہ تقلید پر ڈال دیا۔ مصریوں کی پست
ہمتی کا آج یہ حال ہے کہ علمی اصطلاحات کو اندھا دھند
معرب کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور طرفہ یہ کہ جو
اصطلاحات پہلے سے موجود ہیں اُن کی جستجو کی
زحمت بھی گوارا نہیں۔ اور وہ اصطلاحات جو یورپ
نے ہمارے ہاں سے لے کر استعمال کرلی ہیں اُن کی
اصلیت کو بھی تلاش نہیں کرتے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تسمیہ کے کام سے عربی
قطعاً عاجز ہے۔ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ میں نے
اِس کو عاجز پایا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی صاحبِ ہمت
صرف اِسی زبان کے الفاظ اور اِسی زبان کی خالص
ترکیبوں سے کیمیائی تسمیہ کی پوری عمارت بنا کر رکھ دیں۔
لیکن اِس پر یہ ضرور کہونگا کہ اِس صورت میں فنِ
کیمیا صرف ہندوستانیوں ہی کے لئے نہیں بلکہ خود
عربوں کے لئے بھی ایک چیستان بن کر رہ جائیگا۔ اور
ترقی تو ایک بڑی بات ہے' طلباء کی نگاہیں فن کے
موجودات پر بھی حاوی نہ ہوسکینگی۔ علاوہ بریں
ہم ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور ہماری

آبادی ہندوستان کی دوسری قوموں کی آبادی میں ملی ہوئی ہے۔ اِس صورت میں یہ ممکن نہیں کہ ہم ملک کے اندر ایک اور ملک پیدا کریں۔ پھر کیا یہ ضروری نہیں کہ ہمارے علوم و فنون کی زبان بھی اُن ہی اصولوں کی پابند ہو جو ہماری ملکی زبان کی جان ہیں؟

ہمیں اِس بات پر ناز کرنا چاہیئے کہ خوبیِ قسمت سے کیمیائی تسمیہ کی ضروریات اُردو کی طبیعت کے عین مطابق ہیں۔ اُردو مختلف زبانوں کے ملاپ سے پیدا ہوئی ہے۔ اور یہ ملاپ صرف الفاظ ہی کا ملاپ نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ ملاپ جملوں کی ترکیبوں اور الفاظ کی بناوٹوں تک میں سرایت کرگیا ہے۔ اور کیمیائی تسمیہ میں اِن ہی باتوں کی ضرورت ہے۔ اُردو کی بناوٹ میں بھاشا، فارسی اور عربی کا عنصر غالب ہے۔ اور اُردو دانوں کے کان اِن تینوں زبانوں کے الفاظ سے بخوبی آشنا ہیں۔ اِن وجوہات کی بناء پر کیمیائی تسمیہ میں اِن تین زبانوں سے ہم بخوبی کام لے سکتے ہیں۔ اِس میں صرف اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ اِن زبانوں سے حتی الوسع وُہی الفاظ لئے جائیں جن کے مشتقات میں سے کوئی نہ کوئی پہلے سے اُردو میں موجود ہے۔ اِس قسم کے الفاظ اُردو نما ہونگے۔ اِس لئے اُن کا مفہوم بلا تکلف اُردو دانوں

کی سمجھ میں آجائیگا۔ یہ اصول اختیار کیا جائیگا تو ہمارے اختیار کئے ہوئے طریق تسمیہ میں International رنگ پیدا ہوجائیگا۔ اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ نفسِ فن روشن ہوجائیگا۔

میرے بعض مخدوموں کو میری تجویز پر یہ اعتراض ہے کہ مختلف زبانوں کے الفاظ کو ترکیب دینا فصحا کی شریعت میں جائز نہیں۔ یہ رائے بلا شبہ ادب اور تعظیم کی نگاہوں سے دیکھنے کے قابل ہے۔ اور فصحا کے مسلمات کی خلاف ورزی ایک گناہِ کبیرہ ہے۔لیکن کیا کیا جائے کہ ضرورتوں کی بھرمار نے مجبور کر دیا ہے اور اشد ضرورت کے وقت تو دنیا کے مذاہب مُردار تک کو حلال کر دیتے ہیں۔ پھر زبان بیچاری نے کیا قصور کیا ہے کہ اُسے اُس کے فطری حقوق سے محروم کر دیا جائے ؟ ایک اور پہلو بھی لحاظ کے قابل ہے۔ ہر زمانہ اور ہر زبان کے فصحا ہمیشہ اِن ہی وہموں میں مبتلا رہے ہیں کہ زبانیں اُن کے مصنوعی اصولوں کی پابند ہوجائیں۔ لیکن وہ کونسی زبان ہے جو تغیر سے محفوظ اور ایک حال پر قائم رہتی ہے؟ زبان اظہارِ مافی الضمیر کا آلہ ہے۔ اہلِ زبان اِس سے ہمیشہ آزادانہ کام لیتے ہیں۔ یہ کونسی عقلمندی ہے کہ اِسے وہم کی زنجیروں میں

جکڑ کر مافی الضمیر کے لئے فتنہ بنا لیا جائے۔ زبانوں میں تو اِتنی آزادی ہے کہ ضرورت تو ضرورت بلا ضرورت نئے نئے الفاظ بنتے چلے جاتے ہیں۔ اور فصحا کے علی الرغم بنتے ہیں۔ اور لطف یہ کہ اکثر مختلف زبانوں کے الفاظ کی ترکیب سے بنتے ہیں۔ پھر کچھ زمانہ گزر جانے کے بعد اُن ہی الفاظ کو فصحا کے دارالافتا سے فصاحت کا فتویٰ مل جاتا ہے۔

اپنی اردو ہی کو دیکھ لیجے۔ کیا آپ قریب المرگ' فوق البھڑک' بے دھڑک' دن بدن' نورچشمی' قبلہ گاہی' تھانہ دار' جمعدار' برقنداز' چوکی نویس' کاپی نویس' چوکیدار' چوکیداری' چوکیدارا' طرفدار' اُگالدان' پاندان' پیکدان' چٹھی رسان' چٹھی نویس' دھاری دار' اللہ دیا' اللہ رکھا' کتے خسی' ٹیہ خانہ' ڈاک خانہ' مچنگ (منہ + چنگ)' شیرکوٹ' شیرگڑھ' علیگڈھ' سلیم گڑھ' احمدنگر' عمرکھیڑ وغیرہ وغیرہ کو اِس سے خارج کر سکتے ہیں؟ اُردو سے اِس آزادی کا حق چھین لوگے تو اُس کا ایک زبردست بازو کٹ جائیگا۔

زبانوں میں صرف اِس بات کی ضرورت ہے کہ اِن میں جو کچھ داخل کیا جائے وہ اِس طرح داخل کیا جائے کہ اہلِ زبان اُس کے مفہوم کو بلاتکلف سمجھ جائیں اورجسے اہلِ زبان سمجھتے ہوں وہ زبان سے خارج نہیں۔ میں نئے نئے الفاظ' نئی نئی ترکیبیں اور نئے نئے محاورے بنانے کا متمنی نہیں۔ صرف اِس بات کا ملتجی ہوں کہ مجھے ایک اشد ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اُن فصحا کا تتبع کر لینے کی اجازت دے دی جائے جو بلا ضرورت اور محض تفریح

طبع کے لئے وہم اور رواج کی زنجیروں سے آزاد ہوجاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ **نعمت خانِ عالی** کہتا ہے اور بلاضرورت کہتا ہے:۔

گُل مگر بانگِ انا الیار بگلشن زدہ است

بر سرِ دار خیالِ سرِ منصور کنم

خاقانی کا گناہ، نعمت خانِ عالی کے گناہ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ وہ بھی کہتا ہے اور بلا ضرورت کہتا ہے:—

تا مہر تو گشت نور افشاں

ذوالخورشیدین شد شتاباں

پھر **ابوالفضل** کی آزادی دیکھو۔ نثر لکھتا ہے اور اس میں بلاتکلف **عبدالنخواہش** کہہ جاتا ہے۔ اکبر نے الٰہ آباد کو **الٰہ باس** میں بدل دیا۔ آپ کے بزرگوں نے کھاندیس کو **خاندیس** کہا۔ پھر اکبر نے اپنے بیٹے دانیال کی مناسبت سے **داندیس** بنا دیا۔ **بیدل** "**النّوید آفتابِ عالمتاب**" باندھتا ہے۔

زیب النساء اور مہرالنساء کی ترکیب پر غور کرو۔ بوالہوس اور بوتیمار کو دیکھو۔ **بلکہ**، برملا، بدنصیب، بدقسمت، وحشتکدہ، عشرتکدہ، مریم کدہ، یوسف کدہ کس طرح بن گئے؟ قیام گاہ، سجدہ گاہ، حجلہ گاہ، وغیرہ۔ جلال آباد، حسن آباد، وسعت آباد، یوسف زار، شعلہ زار، وغیرہ وغیرہ نے کس طرح رواج پایا؟ سیلاب، شمعدان، قلعدار، تہمان، طاقدیس، وغیرہ کے رواج کو کس شریعت نے جواز کا فتویٰ دیا؟ واقعہ یہ ہے کہ آج فارسی سے اِس آزادی کا حق چھین لیا جائے

تو فارسی زبان کو اوّلاً تین چوتھائی تک کاٹ کر پھینک دینا پڑیگا۔
ملاحظہ فرمائیے۔ عرفی کہتا ہے اور کس آزادی کے ساتھ کہتا ہے:۔

بہ برقعِ مہِ کنعاں کہ بود حسن آباد
بہ حجلہ گاہِ زلیخا کہ بود یوسف زار

اورنگ زیبی زمانہ کا شاعر بھی دیکھ لیجیے۔ اِس کی زبان، فارسی کے فطری اصولوں سے واقف ہے اور وہ اساتذہ کا تتبع ہر قدم پر ملحوظ رکھتا ہے:۔

ندیدم کشورے غارتگرِ تاب
بخوبیہائے حسن آبادِ پنجاب

پھر کہتا ہے اور آزادانہ کہتا ہے:۔

عزیز آں شعلہ زارِ عشقِ خوباں
کفِ خاکستری بر شکلِ انساں

اور ملاحظہ فرمائیے:۔

ز شہر آرائیِ دانش بروں شد
امیرِ وسعت آبادِ جنوں شد

پھر شاعر کی اِس آزادی پر تو ہزار فصاحت کو قربان کردینا چاہیئے۔
دیکھو اِس آزادی نے جو لطف پیدا کردیا ہے وہ اِس کے بغیر ممکن نہیں۔

بگو اے بے سبب سوز ایں چہ رنگ است
مسلمانی است یا کارِ فرنگ است

شیخ شیرازی فرماتے ہیں :—

نمے بینی کہ گاوے در علفزار
بیالاید ہمہ گاوانِ دہ را ؟

اور اِس فرخندہ بنیاد حیدرآباد میں تو یارالدولہ اور افسرالملک وغیرہ تک کی ترکیبیں ٹکسالی ترکیبیں ہیں۔

پھر وہ بھی ہیں جو حبِ فرمود سے گزر کر حب الفرمود پر پہنچ جاتے ہیں۔ حضرت نظام الدینؒ امیرخسرو کا ترک اللہ نام رکھ دیتے ہیں۔ اور کوئی اِن آزاد مردوں کا ہاتھ پکڑ کر یہ نہیں کہتا کہ ایسے جرمِ عظیم کا ارتکاب! اور وہ بھی بلا ضرورت!!

یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ اِن لوگوں کی زبان سے نکلا ہے، بلا تکلف نکلا ہے۔ اور اِس لئے نکلا ہے کہ سننے والے اِسے بلا تکلف سمجھتے ہیں۔ میں بھی اِسی آزادی کا تتبع کرنا چاہتا ہوں اور ضرورتاً کرنا چاہتا ہوں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ کیمیا کی ضروریات کا خیال رکھنے والوں کو آپ اِس آزادی سے محروم کردیں۔ یہ لوگ اِس آزادی سے محروم رہینگے تو یقیناً آپ کو علمِ کیمیا سے محروم رہنا پڑیگا۔ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ اور ممکن ہے کہ میری کم علمی کا نتیجہ ہو۔ اِس لئے میرے مخدوموں کو میری رائے پر حصر نہ کرلینا چاہیئے۔ کسی صاحب کے ذہن میں اِس سے

بہتر تجویز آجائے تو دنیا یقیناً اِس تجویز کو تشکر و امتنان کی نگاہوں سے دیکھیگی -

اُردو کی ایک بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ اِس میں فصاحت و بلاغت کے اصول ابھی منضبط نہیں ہو سکے ۔ ہمارے فصحا عربی میں اِس فن کو حاصل کرتے ہیں اور اردو پر اِس کے احکام جاری کرتے ہیں - پھر دوسری خرابی یہ ہے کہ اُردو کی صرف ونحو کے قواعد بھی ابھی کما حقہٗ مرتب نہیں ہوئے - جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اہلِ علم کے ایک گروہ نے اِس زبان کی صرف ونحو کو کھینچ تان کر عربی کی صرف و نحو کے قواعد کا پابند کر دیا ہے- اور دوسرا گروہ اِس میں ہندی بھاشا کا عنصر غالب دیکھ کر اِس کی صرف ونحو کو ہندی بھاشا کی صرف و نحو بنا دینا چاہتا ہے- لیکن میں بلا خوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ یہ دونوں راہیں صراطِ مستقیم سے الگ جا پڑی ہیں- جب کوئی صاحبِ ہمت اِس فن کی تکمیل پر آمادہ ہوگا تو اِس کے سوائے اُسے کوئی چارۂ کار نظر نہ آئیگا کہ جس طرح اُردو مختلف زبانوں کے اختلاط سے پیدا ہوئی ہے اُسی طرح اِس کی صرف ونحو کے قواعد بھی اُن زبانوں کی صرف ونحو کے اختلاط سے تیار کرنا چاہئیں جو اُردو کے اجزائے اعظم ہیں- اور اگر یہ بات ملحوظ نہ ہوگی تو اُردو کے سمجھنے اور رواج دینے کے لئے کم از کم ہندی، فارسی، اور عربی تینوں زبانوں کی صرف ونحو کا جاننا لازم ہوجائیگا- اور یہ ایک ایسی مہم ہے جو ابتدا میں تو آسان نظر آسکتی ہے- لیکن آخر میں جب اُردو، علوم و فنون کا مخزن بن جائیگی تو یہی آسان سی

مہم اِس قدر صعب ہوجائیگی کہ اُس سے عہدہ برآ ہونا سخت مشکل ہوگا۔

اُردو کی اصلی صرف ونحو کے نہ جاننے سے ہمارے فصحا عجیب عجیب وہموں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اِن ہی وہموں میں سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ اُن کی شریعت میں عربی، فارسی، ترکی اور عبرانی کے الفاظ کو باہم ترکیب دے کر بیان کے لئے نئے نئے اسلوب پیدا کر لینا تو عین جائز ہے لیکن ہندی کے الفاظ کو اِن زبانوں کے الفاظ سے ملا دینا کفر سے شاید کچھ ہی کم ہوگا۔ اور طرفہ یہ کہ اِس گروہ کے سامنے جب وہ الفاظ آتے ہیں جو اُن کے خلافِ مرضی بنے ہیں، لیکن چونکہ اُردو کے عین اصولِ فطرت کے مطابق بنے ہیں اِس لئے اہلِ زبان کے یہاں عام رائج ہیں، تو اُنہیں غیر فصیح کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔ پھر اُن کی مخالفت کی جاتی ہے تو اُن کی معراجِ فصاحت یہ ہے کہ شعرائے اردو کے کلام سے سند طلب کرتے ہیں۔ لیکن میرے مخدوموں کو اِس مصنوعی فصاحت کے نام سے مرعوب نہ ہو جانا چاہیئے۔ ہمارے شعرا میں جنہیں استادی کا رتبہ حاصل ہے، وہ اہلِ زبان بھی تھے، محاورہ دان بھی تھے اور اِس اعتبار سے بلاشبہ تعظیم و تکریم کے مستحق ہیں۔ لیکن ذرا اِس بات پر تو غور فرمائیے کہ اِن میں کتنے ہیں وہ لوگ جنہیں ہم زبان دان کہہ سکتے ہیں؟

ہمارے شعرا اور شعرا کے کلام کو زبان کے اعتبار سے وحیِ آسمانی سمجھنے والے فصحا نے اُردو کے پاؤں میں جو زنجیریں

ڈال رکھی ہیں اُن میں سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے زیادہ
خوفناک یہ ہے کہ دہلی اور لکھنؤ والوں کی زبان سے جو کچھ نکلے
وہ اُردو کے لئے نوشتہ تقدیر ہے۔ اِس کی خلاف ورزی کا ارتکاب
کرنے والوں کی زبان کاٹ لی جاتی ہے۔ لیکن اِس مرض کا
علاج بتانے والا کوئی نہیں کہ جن خیالات کو دہلی اور لکھنؤ والوں
نے آج تک ادا نہیں کیا اور جو باتیں ہمارے شعرا کے تخیل سے
بالا تر ہیں اُن کو ادا کرنے کے لئے کون سا رستہ اختیار کرنا چاہئیے
اِس میں شک نہیں کہ اُردو کو دہلی اور لکھنؤ کے ساتھ شرفِ
اختصاص ہے اور جو الفاظ اور محاورے دہلی اور لکھنؤ میں رائج
ہیں اُنہیں قابلِ ترجیح تصور نہ کرنا نادانی ہے۔ لیکن پھر وہ چیزیں
جن کے ادا کرنے سے دہلی اور لکھنؤ کی زبان قاصر ہے اُن کے
لئے دہلی اور لکھنؤ کے باہر اسلوبِ بیان تلاش نہ کرنا اور خواہ مخواہ
دہلی اور لکھنؤ کی زبان کو توڑ مروڑ کر بیان کے لئے لمبے لمبے اور
بے ڈھنگے پیرائے پیدا کرنا بھی عقلمندی نہیں۔ جب تک اُردو
پر شعرا کا قبضہ تھا اور شعرا کے تخیل پر انسانی زندگی کا ایک ہی شعبہ مسلط
رہتا تھا اُس وقت تک زبان میں یہ التزام بخوبی چل سکتا تھا۔ لیکن
ہمیں اب اُردو میں انسانی زندگی اور انسانی تخیل کے ہر شعبہ
سے بحث کرنا ہے اور اُن خیالات کو اُردو کا جامہ پہنانا ہے
جو آپ کے فصحا کے تخیل سے بالا تر ہیں۔ پھر خود غور فرمائیے
کہ اِس بے کار اور نہ چل سکنے والے التزام کا سررشتہ ہاتھ
میں رکھ کر ہم اِس مہم سے کس حد تک عہدہ برآ ہو سکتے ہیں

یہ بحث بہت دقیق ہے اور مجھے خوف ہے کہ میرے مخدوموں
کے دل میں کسی قسم کی غلط فہمی نہ پیدا ہو جائے۔ اِس لئے
اپنے بیان کو ذرا زیادہ واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ میرا مطلب
یہ ہے کہ دہلی اور لکھنؤ کی زبان کو جو ہم اُردو کی فصاحت کا
موقوف علیہ قرار دیتے ہیں یہ حقیقت میں ہماری ہٹ دھرمی ہے
دہلی اور لکھنؤ کی چار دیواری کے اندر تو ہندوستانی زندگی کے بھی
تمام شعبے موجود نہیں۔ پھر اِن شعبوں کے لئے جو الفاظ اور
محاورے درکار ہیں وہ دہلی اور لکھنؤ کی زبان میں کہاں سے
تلاش کئے جائینگے۔ مثلاً میرے مخدوموں میں کتنے ہیں وہ صاحب
جو مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ ہمارے ملک میں کسان کو جن
چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے اُن کے لئے دہلی اور لکھنؤ کی ٹکسالی اُردو
میں کیا نام ہیں اور اپنے روز مرہ کے کاروبار میں ہندوستانی
کسان کو جو مطالب ادا کرنا پڑتے ہیں اُنہیں دہلی اور لکھنؤ
کی مخصوص زبان میں کس طرح ادا کیا جائیگا۔ اگر آپ اُردو
کو صرف دہلی اور لکھنؤ ہی کی زبان سمجھتے ہیں اور ہر قسم
کے انسانی تخیل کو اِسی تخیل میں محصور کر دینا چاہتے ہیں جو
ہمارے گزشتہ شعرا کا مخصوص تخیل ہے تو پھر آج ہی
کمر کھول دینا چاہیئے۔ اور وہ مہم جو آج ہمارے پیشِ نظر
ہے اُس کو سر کر لینے کی کوئی امید نہ رکھنا چاہیئے۔
یہ مضمون نہایت تفصیل طلب ہے اور مجھے اِس سے
جلد گزر جانا ہے۔ اِس لئے تفصیل کو اپنے مخدوموں کے

تخیل پر چھوڑ دیتا ہوں اور خود صرف اِس التجا پر اکتفا کرتا ہوں کہ اِس تنگ نگہی کو اُن شعرا اور اُن فصحا کے لئے چھوڑ دیجیے جو اپنے تخیل کو صرف زلف و گیسو کے پیچوں کا پابند رکھنا چاہتے ہیں اور آپ علوم و فنون کے حال پر رحم فرما کر اپنے اصولِ فصاحت کے دامن کو کم از کم اتنا وسیع کر دیجیے کہ اُردو میں اِن چیزوں کے بلا تکلف سما جانے کے لئے وسعت پیدا ہو جائے۔

پھر اِس بات پر بھی غور فرما لیجیے کہ انسانی تخیل جسے صانع فطرت نے بڑھنے اور پھیلنے کے لئے پیدا کیا ہے آپ اُسے زبان کا تابع کر دینا چاہتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ زبان کو تخیل کی تابع ہونا چاہیئے۔ ورنہ تخیل میں وسعت کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔ دہلی اور لکھنؤ کا تخیل محض مقامی تخیل ہے۔ اِس لئے وہ خود اور اُس کے اظہار کے لئے جو زبان موجود ہے دونوں نہایت محدود ہیں۔ ہم اِس محدود تخیل اور محدود زبان کے پابند رہینگے تو علوم و فنون کا حصول ایک امرِ محال ہوجائیگا۔ اب وہ زمانہ گزر چکا ہے جب اُردو کو آپ صرف دہلی اور لکھنؤ کی زبان کہا کرتے تھے۔ اب تو یہ زبان ایک وسیع ملک کی زبان ہے۔ اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ اُردو کی اِس حیثیت میں فرق نہ آنے پائے تو آپ کا فرض ہے کہ ملک کے طبعی تخیل اور زبان کی فطری ضروریات کا لحاظ رکھیں۔ اگر آپ کو ناگوار نہ ہو تو اِس مقام پر یہ بات

بھی جتا دینا چاہتا ہوں کہ میری اِن التجاؤں کا قبول کرلینا آپ کے قبضۂ اقتدار میں ہے لیکن اِن کو ہمیشہ کے لئے رد کر دینا آپ کے اختیار میں نہیں۔ اگر آج رد کر دینگے تو کل زمانہ آپ سے بزور منوالیگا۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک وسیع ملک جس کے فرزندوں کے دل نئی نئی آرزوؤں اور نئی نئی امنگوں سے بھرے ہوئے ہیں اُس کا تخیل صرف اِن دو شہروں کے مخصوص تخیل کا حلقہ بگوش ہوجائے۔ لامحالہ آپ ہی کو زمانہ کے تخیل کا تابع ہوجانا پڑیگا۔ پھر جس بڑھتے ہوئے سیلاب اور اُٹھتے ہوئے طوفان کے سامنے کل سرِتسلیم خم کر دینا پڑیگا اُس کے لئے کیوں آج ہی رستہ خالی نہ کردیا جائے؟ علاوہ بریں دہلی اور لکھنؤ کی زبان اور دہلی اور لکھنؤ والوں کی خصوصیات کے لئے جو چیزیں وجوہِ ترجیح تھیں زمانہ کی نیرنگیوں نے اُن کا نشان تک مٹا دیا ہے۔ پھر خالی نام کی پرستش سے کیا حاصل!! اِس اجمالی سی تمہید کے بعد اب اصلی مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

کیمیائی تسمیہ میں سب سے پہلے عناصر کے نام آتے ہیں۔ اور اِن ناموں کا ایک حد تک فیصلہ ہوچکا ہے۔ عناصر کے تسمیہ میں جو اصول اختیار کئے گئے ہیں اُن کی بحث اِس مضمون سے غیر متعلق ہے۔ اِس لئے اُسے فی الحال نظر انداز کر دیتا ہوں۔ اور مرکبات کے تسمیہ سے بحث کرتا ہوں۔ تسمیہ کا یہ حصہ نہایت اہم ہے۔ اور حقیقت میں یہی وہ چیز ہے

جس پر فنِ کیمیا کی بناء ہے۔ اِس کا خاطر خواہ فیصلہ ہوجائے
تو پھر سارے کا سارا فن بلا تکلف ہماری زبان میں منتقل
ہوجائیگا۔ اِس وقت ہمیں "فصاحت" کی ضرورت نہیں۔ ضرورت
ہے تو اِس بات کی ہے کہ **نفسِ فن** کو کوئی صدمہ نہ پہنچے
اور اُس کے مطالب اِس طرح ہماری زبان میں آجائیں کہ
طالبِ علم اِس فن کی زبان کو بلا تکلف سمجھیں۔ اِس مطلب کے
لئے ہمارے سامنے **دو** رستے ہیں :—

ایک یہ کہ یورپ میں جو تسمیہ کا طریق مروج ہے
اُسے سامنے رکھ کر مختلف چیزوں کے لئے مختلف **علامتیں**
مقرر کرلی جائیں۔ پھر اپنی دنیا سے یہ کہہ دیا جائے کہ جب
ہم فلاں لفظ بولینگے تو اِس سے فلاں معنی مراد ہونگے۔ جہاں تک
محض تسمیہ کا تعلق ہے یہ رستہ نہایت سہل ہے۔ لیکن یہ
سہولت صرف نام رکھنے والوں کے لئے ہوگی۔ اِن ناموں کو
استعمال کرنے والے چند در چند مشکلات میں پھنس جائینگے۔

یہ ظاہر ہے کہ تسمیہ کا یہ طریقہ کوئی علمی طریقہ نہیں۔ اِسے
غور سے دیکھئے تو یہ وہی طریقہ ہے جس سے انسان غیر مربوط ہستیوں
کے تسمیہ میں کام لیتا ہے۔ ہمارے سامنے چند چیزیں رکھی ہوں
اور اُن کی سرشت و نوعیت وغیرہ کے تعلقات کا لحاظ نہ ہو تو
اِس میں شک نہیں کہ اِس قسم کی چیزوں کے جو نام رکھ دیئے
جائینگے وہی بخوبی کام دے جائینگے۔ لیکن کیمیا کی حالت اِس
سے جُداگانہ ہے۔ اِس میں ہمیں **بات** سے بات پیدا کرنا ہے

اور چیز سے چیز بناتے جانا ہے۔ اِس لئے ہمارا فرض ہے کہ اِس میں تسمیہ کے لئے وہ اسلوب اختیار کریں جس سے فن بلا تکلف طلبا کے قابو میں آجائے۔ یہ نہ ہونا چاہیئے کہ آج ہم صرف اپنی مشکلات کا لحاظ رکھیں اور اپنے لئے آسانی کی راہیں تلاش کریں۔ ہماری مشکلات صرف چند روز کی مشکلات ہیں۔ اور ہمارے رکھے ہوئے ناموں کو استعمال کرنے والوں کی مشکلات ہمیشہ کی مشکلات ہونگی۔ اِس لئے ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہیئے کہ ہم خود مشکلات کو برداشت کریں اور طلباء کے لئے آسانی کی راہیں پیدا کردیں۔ کیمیائی تسمیہ میں یہ اناپ شناپ نام رکھنے کا طریقہ اختیار کرلیا جائیگا تو اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طلباء ایک خوفناک دلدل میں پھنس کر رہ جائینگے۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے اِس سے پہلے اُردو زبان میں فن کیمیا کے متعلق ایک کتاب لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر محمد شائق صاحب کی تالیف ہے۔ اِس کتاب کو بالاستیعاب دیکھنے کا مجھے موقعہ نہیں ملا۔ موقعہ ملتا تو شاید اُس سے کوئی پتہ کی بات بھی معلوم ہوجاتی۔ صرف چند منٹ کے لئے دیکھنا نصیب ہؤا ہے۔ اور اِس میں صرف یہ دیکھ سکا ہوں کہ تسمیہ کا کیا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

اِس فن پر ایک چھوٹا سا رسالہ مولوی محمد علی صاحب ابوالعلا حیدر آبادی نے بھی لکھا ہے۔ یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے۔ اور میں نے اپنے مخدوم جناب نواب حیدر یار جنگ بہادر

کی عنایت سے دیکھ لیا ہے۔ اِس میں مرکبات کے تسمیہ کی بحث نہیں۔ صرف چند اصطلاحوں کی تشریح کی ہے اور اِس کے بعد چند عناصر کے عجیب و غریب نام رکھ کر رسالہ کو ختم کردیا ہے۔

ڈاکٹر محمد شائق صاحب نے مضمون کو مقابلتہً ذرا زیادہ وسعت دی ہے۔ لیکن اُن کی کتاب بھی ایک ابتدائی کتاب ہے۔ اور اب سے تیس چالیس سال پہلے کی لکھی ہوئی ہے اِس میں تسمیہ کا وہی طریق اختیار کیا گیا ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔ اور اِس سے بھی مؤلف نے پورا فائدہ نہیں اُٹھایا۔ چنانچہ ابتدائی ناموں کو اِتنا پھیلا دیا ہے کہ اُن میں اَور زیادہ پھیلنے کی گنجائش نہیں رہی۔ اور یہ بات کیمیا کے لئے نہایت مضر ہے۔

ڈاکٹر محمد شایق صاحب کی کوشش بلا شبہ قدر کے قابل ہے۔ لیکن اِس بات کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ صاحبِ موصوف کا دائرۂ عمل بہت تنگ تھا۔ اِس لئے وہ پورے فن کی ضروریات کو نگاہ میں نہیں رکھ سکے۔ علاوہ بریں اِس کتاب کے زمانۂ تالیف میں کیمیا کا وہ حصہ جو تسمیہ کی مشکلات سے بھرا ہؤا ہے اور جس نے فن کو ایک مربوط اور مسلسل فن بنا دیا ہے غالباً صاحبِ موصوف کی نگاہ میں نہ تھا۔ یہ حصہ اُن کی نگاہ میں ہوتا تو ضرور تھا کہ تسمیہ کے لئے کوئی بہتر اسلوب تلاش کرتے یا جو کچھ لکھا ہے اُس کا بھی ارادہ نہ فرماتے۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ گزرا ہؤا زمانہ عموماً استحسان

کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اور گزرے ہوئے اربابِ قلم اکثر اُستاد ہوجاتے ہیں۔ میرے بعض مخدوموں کا ارادہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے بنائے ہوئے طریقِ تسمیہ کو اختیار کرلیا جائے۔ اُن کی خدمت میں میری مؤدبانہ گزارش ہے کہ ہمارے سامنے آج پورا فن موجود ہے۔ اور ہماری ذمہ داری چند اوراق کے رسالہ پر ختم نہیں ہوجاتی۔ ہم پورے فن کو رواج دینا چاہتے ہیں۔ اور اِس بات کے طالب ہیں کہ سارے کا سارا فن ہماری زبان میں منتقل ہوجائے۔ اِس لئے ڈاکٹر صاحب کے تجویز کئے ہوئے طریقِ تسمیہ کو ذرا سوچ سمجھ کر اختیار کرنا چاہئے۔

میں عرض کرچکا ہوں کہ ڈاکٹر محمد شائق صاحب کی کتاب ایک ابتدائی کتاب ہے۔ اور اُن کا اختیار کیا ہؤا طریقِ تسمیہ پورے فن پر حاوی نہیں۔ میرے بعض مخدوموں کی رائے ہے کہ یہی طریقہ اختیار کرلیا جائے۔ اور اِس میں جو کمی رہ گئی ہے اُسے اُن ہی اصولوں سے کام لے کر پورا کیا جائے جو صاحبِ موصوف کے تتبع سے وضع ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا اصول یہ ہے کہ اُنھوں نے فارسی کے اسموں کے ساتھ چند غیر الفاظ افعال کو ترکیب دے کر اسم فاعل اور اسم مفعول بنائے ہیں یا اُن الفاظ اور علامات سے کام لیا ہے جو نسبت اور صفت کے لئے مخصوص ہیں۔ اور میرے مخدوم ہندی اور فارسی میں اِس قسم کے الفاظ اور علامات کا ذخیرہ دیکھ کر خوش ہیں کہ یہ اصول بخوبی کام دے جائیگا۔ یہ رائے نہایت

عمدہ اور وقعت کے قابل ہے۔ لیکن طبایع عالیہ پر شاق نہ گزرے تو اِس کے متعلق اتنی بات ضرور عرض کرونگا کہ اِس کی عمدگی صرف دیکھنے کے لئے ہے۔ برتنے کے لئے نہیں۔ یہ اصول کہاں تک کام دے سکتا ہے؟ اور اِس پر کار بند ہوجانے کے بعد فنِ کیمیا، کہاں تک کیمیا رہ جائیگا؟ اِس کے متعلق اپنے خیالات ذرا آگے چل کر عرض کرونگا۔ یہاں صرف اِس بات کی طرف اشارہ کردینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ فنِ کیمیا کے مطالب سے واقف نہیں وہ اِسی طریقہ کو ترجیح کی نگاہ سے دیکھینگے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اِس کے سوا کوئی اَور رستہ اُنہیں نظر بھی نہیں آسکتا۔

دوسرا رستہ یہ ہے کہ تمام فن کو سامنے رکھ کر اُس پر مجتہدانہ نگاہ ڈالی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ہماری زبان میں وہ کونسا بہترین اسلوب ہے جسے اختیار کرلینے سے فن کی مشکلات حل ہوجائینگی۔ اور جس طرح اِس فن میں مرکب سے مرکب بنتا چلا جاتا ہے اُسی طرح نام سے نام پیدا ہوتا جائیگا۔ میرے خیال میں یہی وہ رستہ ہے جسے اربابِ فن استحسان کی نگاہوں سے دیکھینگے۔ کیمیا میں جن چیزوں سے بحث ہوتی ہے وہ غیر مربوط چیزیں نہیں۔ اُن کی تو یہ حالت ہے کہ ایک ایک چیز پر کیمیا کی عظیم الشان عمارت کھڑی ہوتی جاتی ہے۔ پھر کیا اِس بات کی ضرورت نہیں کہ طریقِ تسمیہ میں بھی یہی خوبی موجود ہو؟ یہ خوبی موجود نہ ہوگی تو ہمارے اختیار کئے

ہوئے طریقِ تسمیہ سے فن کی ضروریات پوری نہ ہوسکینگی - اور ضروریات پوری نہ ہونگی تو پھر وہ فن ہی کیا ہوگا -

یورپ میں جو طریقِ تسمیہ مروج ہے اُس کے متعلق یہ بات نگاہ میں رکھنے کے قابل ہے کہ وہ فن کے ساتھ ساتھ ارتقاء کے مدارج طے کرتا آیا ہے - اِس لئے اُس میں بعض اِس قسم کے نقائص اور اسقام باقی رہ گئے ہیں کہ اب یورپ میں اُن کی اصلاح ممکن نہیں - اِن نقائص اور اسقام پر اب رواجِ عام کی مُہر ہے جس کا توڑنا اربابِ فن کی طاقت سے باہر ہوگیا ہے - نتیجہ اِس کا یہ ہے کہ جب کوئی ایسی چیز دریافت ہوتی ہے جس کا نام، تسمیہ کے مروج نظام میں ٹھیک نہیں بیٹھتا تو اہلِ فن کے لئے ایک مصیبت بپا ہوجاتی ہے - چنانچہ آپ کو یاد ہوگا کہ اِس قسم کی مصیبتوں سے بچنے کے لئے یورپ والوں کو بار بار **انٹرنیشنل کانفرنسیں** کرنا پڑتی ہیں - ہم آج بنے بنائے فن کو لے رہے ہیں - اور اِس کے لئے اپنی زبان میں تسمیہ کا ایک جداگانہ طریق اختیار کر رہے ہیں - ہمیں اِس موقعہ سے فائدہ اُٹھا لینا چاہیئے اور وہ طریق اختیار کرنا چاہیئے جو حتی الامکان نقائص کے میل سے پاک ہو - یہ مشکل اِس طرح بخوبی رفع ہوسکتی ہے کہ ہم اپنے تسمیہ کی بنا Radicals کے ناموں پر رکھیں - اور Radicals کے تسمیہ میں اِس بات کا التزام رہے کہ اُن کے نام بلا تکلف اُن کی ترکیب پر دلالت کریں اِس میں شک نہیں کہ یہ رستہ پہلے رستے کے مقابلہ میں نہایت کٹھن ہے -

اور اس رستے پر چل کر منزلِ مقصود پر پہنچ جانا بڑی جانکاہی کا کام ہے۔ لیکن اِن مشکلات کی پرواہ نہ کرنا چاہیئے۔ جب یہ منزل طے ہوجائیگی تو ہماری کوششوں کا حاصل ایسا شاندار ہوگا کہ رستے کی تمام کلفتوں کو دور کر دیگا۔ میں اِس مضمون کے متعلق جو کچھ عرض کرونگا اُس میں جہاں تک میری طاقت میں ہے یہی اصول مدِ نظر ہوگا۔

تسمیہ میں تین باتوں کا لحاظ نہایت ضروری ہے۔ اور یہی تین باتیں حقیقت میں کیمیائی تسمیہ کی اصلِ اصول ہیں :۔

۱۔ اِسم سے اُس کا مسمیٰ معین ہو جائے۔

۲۔ اِسم اپنے مسمیٰ کی کیمیائی ترکیب پر دلالت کرے۔ اور بلا تکلف دلالت کرے۔

۳۔ نام حتی الامکان ' اناپ شناپ اختیار کئے ہوئے Conventions کے مَیل سے پاک ہو۔

ہمارے اختیار کئے ہوئے طریقِ تسمیہ میں اِن تین باتوں کا انتظام ہوجائے تو وہ بلا شبہ ایک علمی چیز بن جائیگا۔ اور اگر اِن باتوں کا انتظام نہ ہوگا تو وہ محض لا حاصل ہے۔

اب جو کچھ مجھ سے ہوسکا ہے اُسے آپ کی خدمت میں اِس عذر کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ یہ کام حقیقت

میں میری طاقت سے بہت زیادہ ہے - اِس کام کی عظمت، اہمیت اور مشکلات کو دیکھ کر میرا تو دل دہل جاتا ہے۔ اِتنی سی جرأت بھی محض اِس لئے ہوگئی ہے کہ اِس کام کو میرے فرائضِ منصبی میں داخل کردیا گیا ہے - اب آپ سے میری مؤدبانہ التجا ہے کہ اِس تجویز کو از راہِ کرم، بزرگانہ نگاہ سے ملاحظہ فرمائیے اور فنِ کیمیا کی ضروریات کو نگاہ میں رکھ کر اِس بات کو دیکھ لیجیے کہ میری تجویز کیمیائی تسمیہ کی شرائط کو کس حد تک پورا کرسکتی ہے -

کام کی کثرت اور وقت کی تنگی نے مجھے اِتنی فرصت نہیں دی کہ پورا پورا طریقِ تسمیہ تیار کرلیتا۔ صرف اُس حصہ پر اکتفا کرتا ہوں جو Inorganic کیمسٹری کے لئے ضروری ہے۔ اور فی الحال مجھے ضرورت بھی اِسی کی ہے۔ لیکن اِس سے یہ نہ خیال فرمائیے کہ میں organic کیمسٹری کی ضروریات سے غافل ہوں - جہاں تک میری طاقت میں تھا میں نے اپنی تجویز میں organic کیمسٹری کی پوری رعایت رکھ لی ہے - اور سچ پوچھو تو یہ تمام مصیبتیں حقیقت میں اِسی شعبہ کے لئے ہیں۔

میں نے عرض کیا ہے کہ تسمیہ کی بنا ہم Radicals کے ناموں پر رکھینگے۔ اور اِس بات کا التزام رہیگا کہ Radicals کے نام حتی الامکان اُن کی کیمیائی ترکیب پر دلالت کریں۔ اِس اصول کو نگاہ میں رکھ کر سب سے پہلے اُن مرکبات کو لینا چاہیئے، جن کی ترکیب میں صرف دو عنصر داخل ہیں - اور

یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ اصول کس خوبی سے کام دیتا ہے۔

اِس قسم کے مرکبات میں وہ چیزیں بھی شامل ہوسکتی ہیں، جو ترکیب کے اعتبار سے تو Complex ہیں لیکن جب Ionise ہوتی ہیں تو صرف دو Ion دیتی ہیں۔ اِس اعتبار سے نمک اور ترشے بھی اِسی عنوان کی تحت میں آجائینگے۔ اور تسمیہ کا یہ طریقہ بخوبی کام دے سکیگا۔

وہ مرکبات جو دو سے زیادہ اشیا پر مشتمل ہوتے ہیں اور Ionise نہیں ہوتے اُن میں بھی اکثر کا یہ حال ہے کہ کیمیائی اصول نگاہ میں ہوں تو وہ بھی آخر تحلیل ہوکر دو Radicals پر آجاتے ہیں۔ اور یہ اِس طریقِ تسمیہ کی سہولت اور کامیابی کا ایک اور ثبوت ہے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ ہمارے اکثر نام صرف دُہرے نام ہونگے۔ اور مرکبات کے ناموں کی یہی چھوٹی سے چھوٹی شکل ہوسکتی ہے۔

organic کیمسٹری میں یورپ والوں نے تُرشوں اور نمکوں کے تسمیہ میں کسی حد تک Inorganic کیمسٹری کا تتبع کیا ہے۔چنانچہ اِس میں تمام تُرشوں کے نام ic—— پر ختم ہوتے ہیں اور اُن کے نمکوں کے لئے ate —— کو آخری جزء اختیار کیا گیا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ organic کیمسٹری میں جن چیزوں کو ic acids —— کہا جاتا ہے اُن کے مقابلہ میں ous acids —— نہیں ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہاں علامت ic—— کو ous —— پر اور

علامت ate ——— کو ite ——— پر ترجیح دی جائے۔
علاوہ بریں تسمیہ کا یہ طریق Organic کیمسٹری میں سخت تکلیف دہ
ہے۔ اس کے رواج سے کیمیائی تسمیہ کی اصلی غایت فوت
ہوجاتی ہے۔ اور اسم اپنے مسمیٰ کی ترکیب پر دلالت نہیں کرتا۔
اس قسم کے وجوہات کی بنا پر یہ طریقہ تقریباً متروک ہو چکا ہے
اور آج organic کیمسٹری میں ان ناموں کا وُہی درجہ ہے جو
Inorganic کیمسٹری میں پُرانے سوقیانہ ناموں کا ہے۔ چنانچہ
organic کیمسٹری میں اب تسمیہ کا دستور یہ ہے کہ
پہلے Radicals کے نام رکھے جاتے ہیں۔ پھر اُن کو ملا کر
مرکبات کے نام بنا لیتے ہیں۔ اِس سے یہ فائدہ مترتب ہوتا
ہے کہ مرکب کا نام سُنتے ہی اُس کی ترکیب نگاہ کے سامنے
آجاتی ہے۔

ہم کیمیائی تسمیہ کی بنا Radicals کے تسمیہ پر رکھینگے
اور Inorganic کیمسٹری ہی سے اِس دستور کی ابتدا کرینگے تو تمام
فن میں ایک یکرنگی کی کیفیت پیدا ہو جائیگی۔ اور کیمیائی تسمیہ
کی اصلی غایت فوت نہ ہونے پائیگی۔

کیمیائی تسمیہ میں ایک اور بات بھی ہے جس کا
خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔ سائنس میں دو طرح کے
تغیروں سے بحث ہوتی ہے۔ ایک وہ جنہیں **طبیعی تغیر**
کہتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو **کیمیائی تغیر** کہلاتے ہیں۔ اِن
دونوں کی نوعیت ایک دوسرے سے جُداگانہ ہے۔ اِس لئے

اِن تغیروں کو بیان کرنے کے لئے اِس قسم کے الفاظ سے کام لینا چاہیئے کہ اُن کا مفہوم **تغیر کی نوعیت** پر بخوبی دلالت کرسکتا ہو۔ مثلاً ہم کسی چیز کو زہرآلود یا آب آمود یا زہرآگین یا آب آمیز کہتے ہیں تو اِن الفاظ کو سُن کر سامع کا ذہن کسی **کیمیائی واقعہ** کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ اور جو کچھ سمجھ میں آتا ہے وہ یہی ہے کہ متکلم کسی طبیعی تغیر یا طبیعی تغیر سے پیدا ہونے والی کسی چیز کا نام لے رہا ہے۔ یہ نکتہ ذرا دقیق ہے۔ اِسے غور کی نگاہوں سے دیکھنا چاہیئے۔ وہ لوگ جو سائنس کے دقائق سے واقف ہیں، جب کسی کی زبان سے یہ جملہ سنینگے کہ "پانی زہرآگین" ہے تو وہ اِس سے یہی سمجھینگے کہ پانی میں زہر ملا ہؤا ہے اور اِس طرح ملا ہؤا ہے کہ اِن دونوں کے ملنے سے جو چیز پیدا ہوئی ہے اُس میں پانی اور زہر اپنی اپنی **جداگانہ ہستی پر قائم ہیں**۔ اب الفاظ کی اِسی ترکیب کو کیمیا میں استعمال کیا جائے اور اُس کیمیائی مرکب کو جو تانبے اور گندک کی کیمیائی ترکیب سے پیدا ہوتا ہے "تانبا گندک آمود" یا "تانبا گندک آلود" یا "تانبا گندک آمیز" یا "تانبا گندک آگین" کہا جائے تو سُننے والا اِس سے کیا سمجھیگا!! بلاشبہ اُس کا ذہن اِسی مفہوم کی طرف منتقل ہوگا کہ جس چیز کا نام لیا گیا ہے وہ گندک اور تانبے پر مشتمل ہے اور اِس میں گندک اور تانبے کے ملاپ کا انداز یہ ہے کہ دونوں اپنی اپنی جداگانہ ہستی پر قائم ہیں۔ لیکن کیمیائی تغیر کا مفہوم اِس کے

برعکس ہے۔ کیمیا میں کسی تغیر کو کیمیائی تغیر صرف اُس حال میں کہتے ہیں جب تغیر میں حصہ لینے والی چیزیں ایک دوسری کے ساتھ اِس طرح مل جاتی ہیں کہ اِس ملاپ سے جو چیز پیدا ہوتی ہے اُس میں اِن چیزوں کی **جداگانہ ہستی باقی نہیں رہتی**۔ پھر خود خیال فرمایئے کہ کیمیائی تسمیہ میں اِس قسم کی ترکیبیں کہاں تک کام دے سکتی ہیں۔

میری رائے یہ ہے کہ کیمیائی تسمیہ میں **غیر الفاظ** سے مدد لینے کی بجائے **اُن ہی الفاظ** سے کام لینا چاہیئے جو عناصر اور Radicals کے ناموں کو تعبیر کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں یا وضع کئے جائینگے۔ اور عناصر کے کیمیائی تعامل سے جو تغیر پیدا ہوتے ہیں اُنہیں تعبیر کرنے کے لئے اِن الفاظ کو **افعال** کے طور پر استعمال کرنا چاہیئے۔ اِس صورت میں وہ التباس جس کی طرف اوپر کی تقریر میں اشارہ کیا گیا ہے بخوبی رفع ہوجائیگا۔ علاوہ بریں اِس طریقہ کو اختیار کر لینے سے ناموں میں اعلیٰ درجہ کی **لچک** پیدا ہوجائیگی۔ اور نئے نئے خیالات کو ادا کرنے کے لئے ایک عمدہ اسلوب ہاتھ آجائیگا۔ نام زبانوں پر بخوبی **رواں** ہوسکینگے۔ اور سب سے بڑی خوبی اِس میں یہ ہوگی کہ ہمارا طریق تسمیہ Conventions کی بھر مار سے بچ جائیگا۔ جن لوگوں نے سائنس کو پڑھا ہے اور پڑھایا بھی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ Conventions کی بہتات طلباء کے لئے کس قدر ہمت شکن ہے اور اِس سے

کیسے کیسے مضر نتائج پیدا ہوتے ہیں - خود یورپ والوں کو
اِس بات کا اعتراف ہے کہ سائنس میں Conventions
کی بھرمار طلبا کے حافظہ پر ایک بے جا بار ہے جس نے
علمی ترقی کی راہوں میں ایک ہیبت ناک روک پیدا
کر رکھی ہے - چنانچہ وہ بھی اِن بندشوں سے آزاد ہوجانے
کی کوشش کر رہے ہیں - اور وہ چیزیں جو عرفِ عام کی زنجیروں
سے آزاد ہیں اُن میں بہت کچھ تراش خراش کرچکے ہیں -
مثال کے طور پر organic کیمسٹری کا تسمیہ موجود ہے - اِس
فن کی کوئی مستند کتاب اُٹھا کر دیکھ لیجے - رواجی تسمیہ
کے ساتھ ساتھ علمی تسمیہ بھی موجود ہے - اور علمائے فن
کے رُجحانِ طبع کا یہ عالم ہے کہ رواجی تسمیہ کو رواجِ عام کا
سہارا نہ ہوتا تو اُس کا نام و نشان تک مِٹ جاتا -

اسماء کو افعال کے طور پر استعمال کرنے کی جو میں
نے تجویز پیش کی ہے وہ ضرور آپ کے کانوں میں کھٹکیگی -
اور ممکن ہے کہ بظاہر خلافِ قاعدہ معلوم ہو - لیکن صرف اِس
بنا پر اِس تجویز کو رد نہ کر دینا چاہیئے - یہ تجویز عین اصولِ السنہ
کے مطابق ہے - وہ کونسی زبان ہے جس میں اِس "جرم" کا
ارتکاب نہیں ہوتا - اپنی اردو ہی کو دیکھ لیجے - اِس میں
لکڑی سے لکڑانا، پتھر سے پتھرانا، پانی سے پنیانا، مٹھی سے مٹھیانا،
ہات سے ہتیانا، لٹھ سے لٹھیانا، جوتے سے جُتیانا، کھاتے سے کھتیانا،
دھار سے دھارنا، بن گیا ہے - اور اِسی طرح کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں -

پھر اِس لطف کو ملاحظہ فرمائیے کہ اسمائے صفات بھی اِسی لپیٹ میں آگئے ہیں۔ چوڑا سے چوڑانا، لمبا سے لمبانا، دُہرا سے دُہرانا دوسرا سے دُسرانا، تہرا سے تہرانا، تیسرا سے تِسرانا اِس کی مثالیں ہیں۔ اور اہلِ زبان کی اِس آزادی پر تو قربان ہوجانا چاہیئے کہ دولڑا سے دُلڑانا اور تلڑا سے تِلڑانا پر آپہنچ گئے ہیں۔ **عربی** پر غور فرمائیے۔ اُس میں بھی سینکڑوں الفاظ ہیں جو تجرید کی حالت میں اِسم یا کچھ اَور ہیں۔ اور توڑ مروڑ کر اُن سے افعال کا کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً قوس سے تقوس، نصف سے انصاف و تنصیف۔ اور طرفہ یہ کہ کشمیر سے تکشمر (کشمیری بننا) بن گیا ہے۔ اور اب تو oxide سے اکساد اور تاکسد بنا لینے پر بھی کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ **فارسی** کے دامن میں بھی یہی وسعت موجود ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ زبان کا قانون اجازت نہ دیتا تو یکسو سے یکسوئیدن، یکساں سے یکسانیدن، قند سے قانیدن (بمعنی قند صاف کردن) خشک سے خشکیدن اور خشکانیدن، شراب سے شرابیدن، اور کباب سے کبابیدن، کیونکر بن جاتا۔ شاعر کہتا ہے:—

اگر بے تو یکدم شرابیدہ باشم
بہ کانونِ ہجرت کبابیدہ باشم

پھر اِس آزادی کو دیکھو کہ مکہ سے مکیدن (مکہ جانا) مدینہ سے مدنیدن (مدینہ جانا) مکر سے مکریدن۔ طوف سے طوفیدن (طواف کرنا) بنا لیا ہے۔ اور اہلِ زبان کی یہ شوخ چشمی

ملاحظہ ہو کہ عمرؓ سے عمریدن (حضرت عمرؓ کے مرقد کی زیارت کرنا)
اور ابابکرؓ سے ابابکریدن (حضرت ابوبکرؓ کے مرقد کی زیارت کرنا)
استعمال کرلیا ہے۔ طرزی کہتا ہے :—

مدنیدیم پس از مکیدن نہ بکس حیلہ و نے مکریدن
مرقدِ پاکِ نبیؐ طوفیدیم عمرؓیدیم و ابابکرؓیدیم

اِن الفاظ پر غور فرمائیے۔ استعمال ہوئے ہیں اور بلاتکلف استعمال ہوئے ہیں۔ پھر سمجھانے کے لئے نہ حاشیہ کی ضرورت پڑی ہے نہ تفسیر کی۔ سننے والوں نے سُنا ہے۔ اور اِن کا مفہوم بلاتکلف اُن کی سمجھ میں آگیا ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایسے ہمہ گیر اصول کو زبان کے قواعد سے خارج کردیا جائے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ چیزیں سماعی ہیں۔لیکن اِس کے ساتھ ذرا اِس بات پر بھی خیال فرمالیجے کہ زبان میں وہ کونسی چیز ہے جو سماعی نہیں؟ اور وہ کونسی زبان ہے کہ استعمال میں آنے سے پہلے "فصحا" نے صلاح و مشورہ سے اُس کے لئے قوانین و ضوابط بنادئے تھے ؟

ہماری ادبیات میں **سماع** کی اصطلاح جس طرح رائج ہوگئی ہے وہ ایک مہمل اصطلاح ہے۔ اِس کا وہ مفہوم جو ہمارے اساتذۂ ادب کے ذہن میں قائم ہوگیا ہے میں اُس کا قائل نہیں۔ یہ حقیقت میں ہمارے محققینِ السنہ کے عجزِ تحقیق کا نتیجہ ہے۔ جب کسی لفظ کے اشتقاق کی تلاش یا صرف و نحو کے کسی غیر معمولی قاعدہ کی جستجو

میں اُن کا قیاس، جو خود ناقص ہوتا ہے، کام نہیں دیتا تو وہ اُسے سماعی کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ اور جس طرح واقعات کے باب میں عوام کا دستور ہے کہ جب کسی واقعہ کا نام رکھ دیا جاتا ہے تو اُن کی تسکین ہو جاتی ہے اور اُن کے نزدیک واقعہ کے اسباب و علل کی تلاش ضروری نہیں رہتی، اُسی طرح کسی لفظ کو سماعی کہہ دینا بھی اُن کی نگاہ میں تحقیق کی آخری سرحد بن جاتا ہے۔ چنانچہ عربی، فارسی، وغیرہ کے وہ الفاظ، جن کے متعلق ہمارے فصحا نے کسی گزرے ہوئے زمانہ میں **سماع** کا فتویٰ دے دیا تھا، جب اُن کے مقلدین کی نگاہ میں آتے ہیں تو قیاس کو زیادہ وسعت دینا اور حقیقتِ حال کی تلاش میں مزید تگ و دو کا ارادہ کرنا اُن کی شریعت میں حرام ہو جاتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اہلِ زبان کی زبان سے جو کچھ ادا ہوتا ہے اور اُسے اہلِ زبان سمجھ لیتے ہیں وہ ہمیشہ اصولِ زبان کی تابع اور کسی نہ کسی قاعدہ کی تحت میں ہوتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی وقت وہ قاعدہ عوام کی نگاہ میں قبولِ عام کے پایہ سے گر جائے۔ قبولیت اور عدمِ قبولیت کے اسباب ہوتے ہیں جو تغیراتِ زمانہ کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قاعدہ مر جاتا ہے اور اس قاعدہ کے رو سے بنے ہوئے بعض الفاظ باقی رہ جاتے ہیں۔ لیکن اِس میں شک نہیں کہ ہر زبان پر ہر حال میں اُس کے مخصوص قواعد کی عملداری رہتی ہے۔ اِن قواعد کی پابندی

اہلِ زبان کی فطرت میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور اُن کی طبیعتیں بلا تکلف اور بلا عمد اِن قواعد سے فائدہ اُٹھاتی ہیں۔ میں وہ الفاظ بھی دکھا سکتا ہوں جو اہلِ زبان نے ظرافتاً یا تفریحاً پیدا کئے، لیکن اُن کی پیدائش اور بناوٹ چونکہ اصولِ زبان کے عین مطابق تھی اِس لئے ظرافت اور تفریح کا پنچھالا رفتہ رفتہ اُن سے الگ ہوتا گیا اور آخر فصحا نے بھی اُنہیں سندِ اعتبار عطا کر دی۔ پھر اصولِ السنہ کی بحث میں یہ بات بھی نگاہ میں رکھنے کے قابل ہے کہ جس طرح قومی زندگی کے دوسرے شعبوں میں بنی نوعِ انسان کی آزادی کو حیات و ممات کے مدارج طے کرنا پڑتے ہیں اُسی طرح زبانوں کی آزادی بھی حیات و ممات کے مدارج طے کرتی رہتی ہے۔ آزادی کے فقدان اور ضروریات کی قلت سے تخیل کا دائرہ ہمیشہ تنگ ہو جایا کرتا ہے۔ اور جب تخیل کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے تو مطالب کے ساتھ ساتھ ادائے مطالب کے پیرائے بھی مرجاتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میرے مخدوم میری آزادی چھین لینے سے پہلے اِس بات پر بھی غور فرمائینگے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں اُس کی اصلی غایت توسیعِ تخیل ہے۔ اور جب تک ادائے مطالب کے پیرایوں میں وسعت نہ ہوگی تخیل میں وسعت کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔ پھر کیا طبعِ سلیم کا تقاضا یہ نہ ہونا چاہیئے کہ اشد ضرورت کے وقت جب ہماری مروجہ "فصاحت" کے پاؤں لنگ ہو جائیں تو مجھے اُن پیرایوں کو جگا لینے کی

اجازت دے دی جائے جو ہمارے انحطاطِ تخیل اور ہماری غلامی کا شکار ہو گئے ہیں؟

اعتراض سے پہلے اِس بات کو بھی سوچ لینا چاہیئے کہ جن لوگوں کو ہم فصحا کہتے ہیں اور اُن کی تقلید پر مٹ رہے ہیں اُن کی ضرورتیں کس قسم کی تھیں۔ اور ہماری ضرورتیں کس قسم کی ہیں۔ اُنہیں صرف چند خیالات کو ادا کرنا تھا اور وہ خیالات اِس طرح کے تھے کہ اُن میں کسی قسم کے ارتباط کی ضرورت نہیں۔ ہمارے سامنے آج گونا گون خیالات ہیں جن کے لئے متقدین کے اختیار کئے ہوئے پیرائے کفایت نہیں کرتے۔ اور اِس پر دوسری مشکل یہ ہے کہ اِن خیالات کو ایک سلسلہ میں مسلسل کرنا ہے۔ اِن مطالب کے لئے تو زبان کے ذرا ذرا سے سہاروں کو بھی غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ فصحا کی تعظیم ہمارا فرض ہے۔ لیکن اِس تعظیم کو پرستش کے درجہ تک پہنچا دینا اور فصحا کو اپنی زبانوں کا مالک سمجھ لینا ٹھیک نہیں۔ اِس بوالعجبی کو کون گوارا کر سکتا ہے کہ ایک بلند پایہ فن کے حسن و خوبی کو اُن فصحا کے خود ساختہ وہموں پر قربان کر دیا جائے جو محاورہ دانی اور زباندانی کے امتیاز پر بھی قادر نہیں؟ میں آپ صاحبوں کے سامنے شاگردانہ حیثیت سے پیش ہونے کی بھی قابلیت نہیں رکھتا اور آپ کا درجہ استادانہ درجہ ہے۔ آپ اِس بات کو مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ ہماری زبان کو اُن ہی دس بیس خیالات تک محدود نہ ہو جانا چاہیئے جو آتش، ناسخ،

میر اور سودا وغیرہ لکھ گئے ہیں۔ہمیں اُن اصولوں پر عمل کرنا چاہیئے جو زبانوں کی بنا ہیں۔اور جن سے زندہ قوموں کی دُنیا فائدہ اُٹھا رہی ہے۔ اِس آزادی کی اجازت نہ ہوگی تو کیمیا کو بہ حیثیتِ فن' اُردو میں منتقل کرلینا محال ہو جائیگا۔ فصحا نے جو کچھ اختیار کیا ہے یا چھوڑ دیا ہے وہ کسی شریعت کے فتوے کا نتیجہ نہیں کہ ہم اُس کے پابند ہو جائیں۔ زبان کو صرف ضرورت کی تابع رہنا چاہیئے۔ جو چیزیں ہمارے فصحا کے لئے غیر ضروری تھیں' ہمارے لئے وہ آج ضروری ہوگئی ہیں۔پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اُن سے فائدہ نہ اُٹھائیں؟ علاوہ بریں جن چیزوں کو اہلِ زبان بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور اُن کے استعمال کی اشد ضرورت ہے "فصاحت" کے دعویداروں کو اُن کے اخراج کا کیا حق ہے؟

اِس تقریر کے ضمن میں یہ بات بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ کیمیائی تسمیہ کا جو طریق تجویز کر رہا ہوں اُسے یا اُس سے ملتے جُلتے کسی طریق کو اختیار کرلیا جائیگا تو جس طرح خود نفسِ فن میں بڑھنے اور پھیلنے کی گنجایش ہے اُسی طرح آپ کے اختیار کئے ہوئے طریقِ تسمیہ میں بھی بڑھنے اور پھیلنے کی گنجایش ہوگی۔اور آپ کا اختیار کیا ہؤا طریقِ تسمیہ ارتقائے فن کا بخوبی ساتھ دیتا جائیگا۔

اِس طریق کو آپ رد فرمادینگے تو اِس کے بعد دوسرا طریقہ جو آپ اختیار کر سکتے ہیں وہ وُہی طریقہ ہے جس کی طرف

اِس سے پہلے اشارہ کرچکا ہوں - یعنی اسموں کے ساتھ نسبت اور صفت کی علامتیں لگائی جائینگی یا ایسی ترکیبوں سے کام لیا جائیگا جو صفت کے لئے مخصوص ہیں - اور یہ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ کس قدر پُرخطر ہوگا - اِس صورت میں پہلے ہی قدم پر یہ مصیبت پیش آئیگی کہ طلباء کی عمر کا ایک بڑا حصہ نفسِ فن کو حاصل کرنے کی بجائے Conventions کے رٹنے میں صرف ہو جایا کریگا - پھر رٹ لینے کے بعد Conventions کا حافظہ میں جاگزین رہنا کہاں تک ممکن ہے؟ یہ امر تشریح کا محتاج نہیں - علاوہ بریں پورے فن کو نگاہ میں رکھ کر آپ غور فرمائینگے تو آپ کو مان لینا پڑیگا کہ آپ کے پاس اِس قسم کی علامتوں اور ترکیبوں کا ذخیرہ اِتنا وسیع نہیں کہ ایک بڑھتے ہوئے فن کی ضروریات کے لئے بلاتکلف کافی ہو جائے -

میرے مخدوم جو اِس طریقہ کے طرفدار ہیں وہ غالباً اپنی تجویز کو اِس دلفریب خیال کا سہارا دینگے کہ نسبت اور صفت کی علامتوں کے استعمال سے جو الفاظ بنینگے وہ ہماری "اپنی" زبان کے الفاظ ہونگے - اور اگر کوئی ذرا سی چیز کسی بیگانی زبان سے لے کر استعمال کر لی جائیگی تو ہمارے بنائے ہوئے الفاظ بیگانی زبان کے الفاظ ہو جائینگے - لیکن یہ اپنے اور بیگانہ کا امتیاز ذرا غور طلب ہے - اِس سے جلدی مرعوب نہ ہو جانا چاہیئے - ایک خیالی "اپنے" کے لئے ایک نہایت شریف اور شاندار فن کی ضروریات کو نظر انداز کر دینا

قرینِ مصلحت نہیں۔

میرے مخدوموں کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہئیے کہ جن ترکیبوں کے وہ دلدادہ ہیں اُن کے استعمال سے یہی خرابی پیدا نہ ہوگی کہ اُن کا مفہوم طالبانِ فن کو گمراہ کرنے والا اور مصیبت میں ڈال دینے والا ہوگا۔ بلکہ اِس کے ساتھ ساتھ ایک خرابی یہ بھی ہوگی کہ اکثر الفاظ بلا ضرورت موٹے اور بھاری ہوجائینگے۔ اور زبانیں ہمیشہ سہولت پسند ہُوا کرتی ہیں۔ موٹے موٹے الفاظ اور لمبی لمبی ترکیبوں سے کتابوں کی سجاوٹ ہوسکتی ہے اور ممکن ہے کہ علماء کے دماغ بھی اُن کے متحمل ہوجائیں۔ لیکن اِس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ زبانوں کی سہولت پسندی اِس قسم کی چیزوں کو ہمیشہ ٹھکرا دیا کرتی ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ اپنے گھروں ہی میں دیکھ لیجیے۔ والدین اپنے بچے کا ایک شاندار' لمبا چوڑا نام رکھتے ہیں۔ اور اُسے استعمال نہیں کرسکتے۔ سہولت پسندی کا فطری قانون اُنھیں مجبور کر دیتا ہے کہ روز مرہ کے استعمال کے لئے ایک اَور چھوٹا سا نام تجویز کرلیں۔ اور اگر والدین اِس قانون کا تتبع نہیں کرتے تو اُن کے لئے ہمسائے اِس مشکل کو حل کر دیتے ہیں۔ آپ جن چیزوں کے نام رکھنا چاہتے ہیں وہ اِس قسم کی چیزیں ہیں جو ذہنی نہیں۔ بلکہ خارج میں بھی اپنا وجود رکھتی ہیں۔ اور اگر آپ اپنے ملک اور اپنی قوم کو اِس فن سے مستفیض کرنا چاہتے ہیں تو اِس بات کا لحاظ نہایت ضروری ہے کہ یہ

چیزیں عنقریب آپ کے اپنے ملک میں تیار کی جائینگی۔ اور بازاروں میں رکھی جائینگی۔ پھر اِن چیزوں کے ناموں پر آپ ہی کا قبضہ نہ ہوگا بلکہ عوام بھی اِس میں برابر کے حصہ دار ہونگے۔ اگر آپ کیمیائی تسمیہ میں اُن فطری اصولوں کا لحاظ نہ رکھینگے جن پر زبانوں کے بننے اور بڑھنے کی بنا ہے تو اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک طرف تو فن کی ترقی رُک جائیگی۔ اور دوسری طرف یہ مشکل ہوگی کہ وہ لوگ جو فی الواقع اور فطرتاً "اہلِ زبان" ہیں وہ آپ کے رکھے ہوئے نام قبول نہ کرینگے۔ اور اپنے الگ نام تجویز کرلینگے۔ پھر اِس سے جو خلط و التباس پیدا ہوگا اُس کی مضرتوں کو آپ خود مجھ سے بہتر سوچ سکتے ہیں۔

یہ بات بھی نگاہ میں رہنی چاہیئے کہ آج زبان کی ایک وہمی سی حفاظت کی دُھن میں آپ فن کی ضروریات کو نظر انداز کردینگے تو اِس سے یہ نہ خیال فرمائیے کہ آپ کی یہ حفاظت دیر تک قائم رہ سکیگی۔ ملک میں فن کا چرچا ہوگا تو فن کی ضروریات یقیناً آپ کے خیالات پر مقدم ہوجائینگی۔ اور آپ کی قائم کی ہوئی حدیں خود بخود ٹوٹ جائینگی۔ پھر تاریخ میں دیکھ لیجے کہ اِس قسم کے واقعات سے کیسے کیسے فتنے پیدا ہؤا کرتے ہیں۔ جب وقت آئیگا تو فن کی ضرورتیں اہلِ فن کو مجبور کردینگی کہ آپ کے وضع کئے ہوئے تسمیہ کے مقابلہ میں ایک اور طریقہ وضع کریں۔ اور جب یہ ہوگا تو آپ کے ملک میں

تین گروہ ہوجائینگے - اِن میں سے دو آج آپ کے سامنے موجود ہیں - ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ اصطلاحات کا ترجمہ نہ کرنا چاہیئے - اور دوسرا گروہ ترجمہ کا حامی ہے - اِسی طرح آگے چل کر ایک گروہ آپ کے وضع کئے ہوئے تسمیہ کی حمایت کریگا - اور دوسرا اِس میں تغیر کا طلبگار ہوگا - آزادی پر کسی کی حکومت نہیں - لوگ اپنی اپنی رائے کے مطابق کتابیں لکھینگے - اور اِس سے کیمیا کی دنیا میں ایک فتنہ بپا ہوجائیگا - مثال ملاحظہ فرمایئے - عربوں نے یونانی علوم وفنون کا ترجمہ کیا تو ابتدا میں اکثر اصطلاحات کو معرب کر لیا - پھر اُنہیں بہت جلد انتباہ ہوگیا - اور ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنی زبان میں اصطلاحیں وضع کرنی چاہئیں - لیکن رواج، حکومت کی زنجیروں سے آزاد ہے - نتیجہ یہ ہؤا کہ عربی اصطلاحات کے ساتھ ساتھ بہت سی معرب اصطلاحات بھی آج تک موجود ہیں - اور یہ ظاہر ہے کہ وُہی اصطلاحات جو یونانی زبان میں با معنی تھیں - اور اپنے مدلول پر بلا تکلف دلالت کرتی تھیں عربی میں مہمل اور محض Conventional ہیں -

مَیں جو طریق تجویز کر رہا ہوں - اُس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اِس میں الفاظ کی ترکیبیں نئی ہیں - اور ہمارے "فصحا" کا فتویٰ ہے کہ نئی ترکیبوں کا وضع کرنا حرام ہے - لیکن میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے اِس مسئلہ پر مہینوں غور کیا ہے - اور مجھے اِس کے سوا اَور کوئی مخلص

نظر نہیں آیا۔ مجبوراً اِس فتوے کی خلاف ورزی کا ارتکاب کرتا ہوں۔ اور "فصحا" کو رنجیدہ نہ ہونا چاہیئے۔ ؎

این گناہ است کہ در شہرِ شما نیز کنند

خیالات نئے ہیں۔ اِن کے لئے اسلوبِ بیان بھی نیا ہونا چاہیئے۔ میرا ذاتی مذہب یہ ہے کہ اصولِ زبان اور ضروریاتِ فن کی خلاف ورزی نہ ہو تو مروّج الفاظ اور مروّج ترکیبیں بلا شبہ قابلِ ترجیح ہیں۔ اور میں اُنہیں ہمیشہ ترجیح کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ لیکن افسوس ہے کہ اِس قسم کے خیالات جو آج ہمیں ادا کرنا ہیں اُنہیں ہندوستان میں نہ کسی شاعر نے باندھا ہے نہ کسی ادیب نے قلم بند کیا ہے۔ نہ وہ دِلی اور لکھنؤ کے فصحا کی زبان سے سُننے میں آئے ہیں۔ پھر اِس قسم کی مجبوریوں میں اِس کے سِوا اور کیا چارۂ کار ہے کہ زبانوں کے بننے اور پھیلنے کے فطری اصولوں سے کام لیا جائے؟

یہ مسلّم ہے کہ اِس مطلب کے لئے ہمیں بنے بنائے الفاظ نہیں مِل سکتے۔ پھر میری ترکیبوں پر یہ اعتراض ہو کہ یہ نئی ترکیبیں ہیں اور نئی ترکیبوں کا وضع کرنا بدعت میں داخل ہے تو دوسری صورت میں جب صفت اور نسبت کی علامات یا اِسی طرح کی کسی اَور چیز سے کام لیا جائیگا تو کیا اِن کے جواز کے لئے کوئی سند مِل سکتی ہے؟ اور اگر یہ نہیں تو ذرا سے وہم کی خاطر مضبوط اور کار آمد بناؤں کو چھوڑ کر ریت کی

بناؤں پر عمارت بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

اِن مقدمات کے بعد وہ طریقِ تسمیہ پیش کرتا ہوں جسے میرے بعض مخدوم پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مَیں نے یہاں تک جو کچھ عرض کیا ہے اُس میں مَیں نے فن کے اصلی دقائق کو عمداً نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ نہ کرتا تو میرا بیان میرے اکثر مخدوموں کے لئے چیستان بن جاتا۔ تاہم جو کچھ عرض کیا گیا ہے اُس سے فن کی بہت سی ضروریات آپ کی نگاہ کے سامنے آگئی ہونگی۔ اب آپ فیصلہ فرماسکتے ہیں کہ تسمیہ کا یہ طریقہ، فن کی ضروریات کو کہاں تک پورا کرسکتا ہے۔ اور اِس کو اختیار کرلینے کے بعد کیمیا کا فن کس حد تک روشن ہو جائیگا۔ مجھے اِس بات کا علم نہیں کہ میرے مخدوموں نے کون کون سی علامتیں کن کن چیزوں کے لئے اختیار کی ہیں۔ اِس لئے مَیں اِس طریقہ سے مفصل بحث نہیں کرسکتا۔ صرف نمونہ دکھا دیتا ہوں۔ اور اُس کے حسن و قبح کی جانچ پڑتال کے لئے غالباً اِتنا ہی کافی ہوگا۔ اِس طریقہ کی بنا اِس بات پر ہے کہ انگریزی ناموں کو سامنے رکھ کر انگریزی علامتوں کے مقابل، مختلف چیزوں کے لئے اناپ شناپ اُردو علامتیں اختیار کرلی جائیں۔ اور اُن کے الگ الگ مفہوم قائم کردئے جائیں۔ پھر جمہور کے اجتماع اور رواج کی عمومیت سے ہمارے قائم کئے ہوئے مفہوم خود بخود دنیا کے ذہن نشین ہوتے جائینگے۔

مثال کے طور پر گندک کے چند مرکبات کے نام ملاحظہ فرمائیے۔ اور انگریزی میں اِن کے لئے جو امتیازی علامات مقرر ہیں اُن کو دیکھئے:—

Hydrosulphuric Acid or **Hydrogen** Sulphide (H_2S)

Sulphurous Acid (H_2SO_3)

Sulphuric Acid (H_2SO_4)

Sulphonic Acid ($R.SO_2.OH$)

Sulphinic Acid ($R.SO.OH$)

Thio Sulphuric Acid ($H_2S_2O_3$)

Thionic Acid $S_n \begin{cases} SO_2.OH \\ SO_2.OH \end{cases}$

Thionyl Chloride ($SOCl_2$)

Sulphuryl Chloride (SO_2Cl_2)

یہ چند نام ہیں جن میں گندک کے انگریزی ناموں کے ساتھ امتیازی علامتیں استعمال کی گئی ہیں۔اب آپ گندک کے نام کے ساتھ اپنی اُردو کی ایک ایک علامت لگاتے جائیے۔ اور دیکھئے اِس کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ اِس سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ فن حاصل کرنے والوں کے لئے تسمیہ کا یہ طریق زیادہ سہل اور زیادہ مطلب خیز ہے یا وہ طریق جس میں تسمیہ کی ابتدا Radicals کے ناموں سے ہوگی۔ چند مثالیں اَور ملاحظہ فرمائیے:—

مثلاً

تانبا گندکیلا یا تانبا کبریت وش	Copper Sulphide
تانبا گندک آسا یا تانبا کبریت آگین	Copper Sulphite
تانبا گندک گون یا تانبا کبریت آمود	Copper Sulphate
تانبا گندک مان یا تانبا کبریت آمیز	Copper Sulphonate
وغیرہ وغیرہ	وغیرہ

اِن الفاظ پر غور کرو - یہ کسی فن کے مطالب کو تعبیر کرتے ہیں یا کوئی چیستان بیان ہو رہی ہے!! کیمیا کے لئے یہ الفاظ بالکل بے معنی ہیں - اِن میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں کہ کیمیا کی زبان میں کام دے سکتا ہو - ہاں توڑ مروڑ کر کچھ مفہوم پہنا دیا جائے تو ممکن ہے کہ کسی طبیعی واقعہ کی تعبیر ہوسکیں - لیکن طبیعی واقعات اور کیمیائی تغیرات میں بہت فرق ہے -

اِس میں شک نہیں کہ ظاہر بین نگاہوں کو یہ الفاظ خوبصورت معلوم ہوتے ہیں - لیکن اِس بات کو بھی نگاہ میں رکھنا چاہیئے کہ یہ محض "بیرونِ در" کی دلفریبیاں ہیں" درونِ خانہ" اِس قسم کی سطحی اور گمراہ کرنے والی دلفریبیوں کا متحمل نہیں ہوسکتا - ایک ایک لفظ کو لے لیجے - اور اُس کے مفہوم پر غور فرمائیے - جب ہم تانبا کبریت وش کہینگے تو سننے والا یہی سمجھیگا کہ متکلم تانبے کو کبریت سے تشبیہ دے رہا ہے

مثال کے طور پر گندک کے چند مرکبات کے نام ملاحظہ فرمائیے۔ اور انگریزی میں ان کے لئے جو امتیازی علامات مقرر ہیں اُن کو دیکھئے:—

Hydrosulphuric Acid or **Hydrogen** Sulphide (H_2S)

Sulphurous Acid (H_2SO_3)

Sulphuric Acid (H_2SO_4)

Sulphonic Acid ($R.SO_2.OH$)

Sulphinic Acid ($R.SO.OH$)

Thio Sulphuric Acid ($H_2S_2O_3$)

Thionic Acid $S_n \begin{cases} SO_2.OH \\ SO_2.OH \end{cases}$

Thionyl Chloride ($SOCl_2$)

Sulphuryl Chloride (SO_2Cl_2)

یہ چند نام ہیں جن میں گندک کے انگریزی ناموں کے ساتھ امتیازی علامتیں استعمال کی گئی ہیں۔اب آپ گندک کے نام کے ساتھ اپنی اُردو کی ایک ایک علامت لگاتے جائیے۔ اور دیکھئے اس کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ فن حاصل کرنے والوں کے لئے تسمیہ کا یہ طریق زیادہ سہل اور زیادہ مطلب خیز ہے یا وہ طریق جس میں تسمیہ کی ابتدا Radicals کے ناموں سے ہوگی۔ چند مثالیں اور ملاحظہ فرمائیے:—

مثلاً

تانبا گند کیلا یا تانبا کبریت وش	Copper Sulphide
تانبا گندک آسا یا تانبا کبریت آگین	Copper Sulphite
تانبا گندک گون یا تانبا کبریت آمود	Copper Sulphate
تانبا گندک مان یا تانبا کبریت آمیز	Copper Sulphonate
وغیرہ وغیرہ	وغیرہ

اِن الفاظ پر غور کرو۔ یہ کسی فن کے مطالب کو تعبیر کرتے ہیں یا کوئی چیستان بیان ہو رہی ہے!! کیمیا کے لئے یہ الفاظ بالکل بے معنی ہیں۔ اِن میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں کہ کیمیا کی زبان میں کام دے سکتا ہو۔ ہاں توڑ مروڑ کر کچھ مفہوم پہنا دیا جائے تو ممکن ہے کہ کسی طبیعی واقعہ کی تعبیر ہوسکیں۔ لیکن طبیعی واقعات اور کیمیائی تغیرات میں بہت فرق ہے۔

اِس میں شک نہیں کہ ظاہر بین نگاہوں کو یہ الفاظ خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اِس بات کو بھی نگاہ میں رکھنا چاہیئے کہ یہ محض "بیرونِ در" کی دلفریبیاں ہیں" درونِ خانہ اِس قسم کی سطحی اور گمراہ کرنے والی دلفریبیوں کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ ایک ایک لفظ کو لے لیجے۔ اور اُس کے مفہوم پر غور فرمائیے۔ جب ہم تانبا کبریت وش کہینگے تو سننے والا یہی سمجھیگا کہ متکلم تانبے کو کبریت سے تشبیہ دے رہا ہے

یا کسی ایسے تانبے کا ذکر کر رہا ہے جو کبریت کے مانند ہے۔
اور یہ ظاہر ہے کہ جس چیز کا نام تانبا کبریت وش رکھا گیا ہے
وہ نہ تانبا ہے نہ کبریت۔ وہ تو ایک ایسی چیز ہے جس میں
تانبا اور کبریت دونوں اپنی اپنی جداگانہ ہستی کھو چکے ہیں۔
اِس کے بعد دوسرے نام پر غور فرمائیے۔ کیمیا دان کی نگاہ
میں Copper sulphite سے ایک ایسی چیز مراد ہے جو Copper radical
کے ساتھ Sulphite radical کے ترکیب کھانے سے پیدا ہوئی
ہے۔ اور اب اُس کی حقیقت یہ ہے کہ اُس میں نہ تانبا
اپنی ہستی پر قائم ہے نہ گندک نہ آکسیجن۔ اِس چیز
میں جو خواص پائے جاتے ہیں وہ خواہ طبیعی ہوں خواہ کیمیائی
اجزائے ترکیبی کے خواص سے کلیۃً جداگانہ ہیں۔ اب اِس مفہوم
کو نگاہ میں رکھئے اور اپنے رکھے ہوئے نام پر غور فرمائیے۔
جب ہم تانبا کبریت آگین کہینگے تو یہ لفظ معنًی کس چیز پر
دلالت کریگا؟ سننے والے کا ذہن بلاشبہ اِسی طرف منتقل ہوگا
کہ متکلم تانبے کا نام لے رہا ہے جس کے اندر کبریت بھری
ہوئی ہے اور اِن دونوں چیزوں کو ایک دوسری کے
ساتھ اِس طرح اقتراب ہوا ہے کہ اِن کی اپنی اپنی جداگانہ
ہستیوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اِسی نام کو ایک اور پہلو سے
دیکھئے۔ جس چیز کے لئے ہم نام تجویز کر رہے ہیں۔ وہ تانبے
کبریت اور آکسیجن کا کیمیائی مرکب ہے۔ اور ہم اسے تانبا
کبریت آگین کہتے ہیں۔ یعنی صرف تانبے اور کبریت کے

ناموں کو سامعین کی نگاہ کے سامنے لاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آکسیجن نے کیا قصور کیا ہے کہ اُسے نظر انداز کردیا جائے؟ اور کیا وجہ ہے کہ اُسی چیز کو تانبا مائین آگین نہ کہا جائے؟

ایک صورت البتہ قابلِ لحاظ ہے۔یعنی ہم اِس بات پر اتفاق کریں کہ جب کبریت آگین کہا جائیگا تو اُس سے کوئی ایسا مرکب یا کسی مرکب کا کوئی ایسا جزُ مراد ہوگا جو کبریت اور مائین پر مشتمل ہے۔ لیکن یہاں اِس بات پر بھی غور فرمایئے کہ ظاہر کی ایک ذرا سی وہمی دلفریبی کی خاطر ہمیں چار Conventions کا بوجھ اُٹھانا پڑیگا۔ **پہلا** Convention یہ ہوگا کہ ایک ایسا لفظ، جس میں کیمیائی تغیر پر دلالت کرنے کی قابلیت نہیں، اُسے ہم کیمیائی تغیر کو تعبیر کرنے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ **دوسرا** Convention یہ ہوگا کہ کبریت آگین کے مفہوم میں کبریت کے علاوہ ایک اور عنصر یعنی مائین بھی شامل ہے جس کے نام کی، لفظِ مذکور میں بُو تک موجود نہیں۔ **تیسرا** Convention یہ ہوگا کہ کبریت آگین کے لفظ کو جن دو عناصر کے تعبیر کرنے کے لئے اناپ شناپ اختیار کرلیا گیا ہے وہ باہم اِس طرح ملے ہوئے ہیں کہ اُن کے ملاپ سے ایک مستقل Radical بن گیا ہے۔ اور **چوتھا** Convention یہ ہوگا کہ اِس Radical میں کبریت

اور مائین کے جوہروں (Atoms) کا تناسب ۱ : ۳ ہے۔
خیال فرمائیے یہ نام جن سے میں بحث کر رہا ہوں یہ
پہلے تو خود Conventional نام ہیں۔ اور پھر ہر ایک
کے ساتھ اِتنے اِتنے Conventions لگے ہوئے ہیں۔
وہ کون خوش نصیب ہوگا جس کا دماغ اِتنے
Conventions کا متحمل ہوجائیگا !! اِس کے ساتھ
ساتھ اِس بات کا بھی لحاظ فرمالیجے کہ یہ ایک دو نہیں بلکہ
کئی نام ہیں۔ اور فن ایک حال پر ٹھیرا ہؤا نہیں۔اُس میں
روز بروز ترقی ہو رہی ہے۔ علاوہ بریں اِن Conventions
کے ساتھ ساتھ ہمارے کیمیائی تسمیہ میں وہ چھوٹے
چھوٹے Conventions بھی ہونگے جن کے بغیر کوئی
چارہ نہیں۔

میرے مخدوموں کو غالباً اِس خیال نے دھوکے
میں ڈال دیا ہے کہ یورپ کی زبانوں میں 'Ide' 'ite'
'Ate' وغیرہ صفت یا نسبت کی علامتیں ہیں۔ اور جس طرح
یورپ میں کیمیا کے لئے اِن علامتوں کا اپنا اپنا مفہوم
قائم ہوگیا ہے اُسی طرح وقت پاکر ہمارے ہاں بھی ہماری اناپ شناپ
اختیار کی ہوئی علامتوں کا اپنا اپنا کیمیائی مفہوم قائم ہوجائیگا۔
لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ ہم اُس زمانہ سے فن کی ابتدا
نہیں کر رہے ہیں جس میں یورپ والوں نے اِس کی ابتدا
کی تھی۔ ہم ایک بنا بنایا فن لے رہے ہیں جس میں الفاظ

تو وہی ہیں جو یورپ والوں نے ابتدا میں اختیار کر لئے تھے - لیکن اُن کے مفہوم میں فن کی ترقی کے ساتھ ساتھ بہت کچھ تراش خراش ہوتی گئی ہے - پھر کیا وجہ ہے کہ ہم یورپی اصطلاحات کا وہ مفہوم نہ لیں جو آج فنِ کیمیا میں اُن کے لئے قائم ہو چکا ہے - اور اُس ابتدائی مفہوم پر حصر کرلیں جو اُس زمانہ میں ان اصطلاحات کا مفہوم تھا جب دنیا کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ جن چیزوں کے نام رکھے جا رہے ہیں اُن کی کیمیائی اصلیت کیا ہے ؟ میں یہ نہیں کہتا کہ ابتدا میں Ide ' Ite ' Ate ' وغیرہ صفت یا نسبت کی علامتیں نہ تھیں - لیکن یہ ضرور کہونگا کہ کیمیا میں اب ان کا مفہوم یہ نہیں - مثلاً جب ہم Copper Sulphate کہتے ہیں تو اس نام سے "گندک والا" تانبا مراد نہیں ہوتا - اس سے وہ تانبا مراد ہوتا ہے جو اب تانبا نہیں رہا بلکہ SO_4 Radicals کے ساتھ اُس کے جوہر (Atoms) اس طرح ترکیب کھا گئے ہیں کہ ان دونوں کی ترکیب سے ایک جداگانہ چیز بن گئی ہے جسے ہم Copper Sulphate کہتے ہیں - اس بنا پر کیمیا کی زبان میں Copper Sulphate کے معنی حسبِ ذیل ہو سکتے ہیں :—

A compound in which copper has been rendered sulphate.

or A Compound in which copper has been converted into sulphate.

or better, A compound in which copper has been sulphated

اِن جملوں سے اصطلاحِ مذکور کا پورا پورا مفہوم ادا نہیں ہوتا - تاہم اِتنی بات ضرور معلوم ہوجائیگی کہ اصطلاح کے ابتدائی مفہوم اور موجودہ مفہوم میں کیا فرق ہے - اور آپ کی توجہ کو اصلیت کی طرف مبذول کرنے کے لئے غالباً اِتنا ہی کافی ہوگا -

بات یہ ہے کہ ہر فن کی اپنی مخصوص زبان ہوتی ہے اور اُس کے مطالب اُسی زبان میں ادا ہو سکتے ہیں - کسی ایک فن کی زبان میں جب دوسرے فن کی زبان کے الفاظ اور محاورے ملا دئے جاتے ہیں تو یہی نہیں ہوتا کہ بیان بھونڈا ہو جاتا ہے بلکہ اِس سے ایک اور خرابی پیدا ہوتی ہے جس کے نتائج نہایت مضر ہیں - یعنی مطالب ڈھنگلے ہو جاتے ہیں - اور متکلم اپنے سامعین کے دل میں جو کیفیت پیدا کرنا چاہتا ہے وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی - مثلاً تاریخ کے لئے ناول کی زبان اختیار کرلی جائے تو تاریخ، تاریخ کی بجائے ناول ہو جائیگی - اور ہم نے تو

زبان کے اعتبار سے مثنوی، غزل، قصیدہ وغیرہ تک کی حد بندی کر رکھی ہے۔ ہمارے ہاں ابھی فنِ کیمیا کے لئے کوئی زبان مقرر نہیں ہوئی۔ اِس لئے آپ کو اِس بات کا سہارا مل سکتا ہے کہ ہم جو الفاظ استعمال کرینگے اُن ہی الفاظ کو رواج اِس فن کے ساتھ مخصوص کردیگا اور اِسی طرح ہوتے ہوتے کیمیا کے لئے ایک خاص زبان بن جائیگی۔ یہ خیال بظاہر کچھ بے جا معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن حقیقت میں یہ سہارا ایک مہمل سہارا ہے۔ اِس پر حصر کرلینا اور دنیا کو خواہ مخواہ ایک ہیبت ناک امتحان میں ڈال دینا قرینِ مصلحت نہیں۔ ہمیں اپنی غلطیوں کو اِس بھروسے پر رواج کے حوالہ نہ کردینا چاہیئے کہ رواج خود بخود اُنہیں ٹھیک کریگا۔ یا اِن غلطیوں کو وہی مفہوم پہنا دیگا جو ہم پہنانا چاہتے ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ ہمارے پاس فنِ کیمیا کی زبان موجود نہیں۔ لیکن پھر اِس سے بھی تو انکار نہیں ہوسکتا کہ کم از کم معمولی کاروبار کے لئے تو ہمارے پاس ایک زبان موجود ہے۔ اور اِس زبان میں توسیع کے لئے بہت کچھ گنجائش ہے۔ ہمارا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ اپنی زبان کا کونہ کونہ تلاش کریں۔ اور اِس میں سے وہ وہ الفاظ ڈھونڈ کر نکالیں جو فنِ کیمیا کی زبان میں داخل ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ اور دوسری زبانوں کے

جو الفاظ اختیار کریں، اُنہیں بھی اِسی کسوٹی پر کس کر دیکھتے جائیں۔ ہم یہ روش اختیار کرینگے تو ہمارے پاس ایک ایسی زبان بنتی جائیگی جو اِس قابل ہوگی کہ فنِ کیمیا کے مطالب اُس میں بخوبی ادا ہوسکینگے۔ اور اگر ہم اپنی ہی سہولتوں کو مدِ نظر رکھینگے۔ اور فن کی ضروریات کو نظرانداز کرکے محض رواج کے بھروسے پر اناپ شناپ الفاظ اختیار کرتے جائینگے تو آنے والی نسلوں کے لئے فائدہ کی بجائے ایک فتنہ بپا کردینگے۔ پھر ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے کچھ نہ کرنا ہزار درجہ بہتر ہے۔ اِس لئے میری التجا یہ ہے کہ "بیرونِ در" کی دلفریبیوں اور سہولتوں سے گزر کر "درونِ خانہ" کی مشکلات اور ضروریات کو بھی دیکھ لیجیے۔ اور رواج پر بھروسا کرلینے سے پہلے اِس بات کو بھی ملاحظہ فرمالیجیے کہ جن لوگوں کا آپ تتبع کرنا چاہتے ہیں وہ خود اِس رواج سے تنگ آچکے ہیں۔

میں نے عرض کیا تھا کہ ہمارا کیمیائی تسمیہ اگر Radicals کے ناموں پر مبنی ہوگا اور Radicals کے تسمیہ میں اِس بات کا التزام رہیگا کہ ناموں سے Radicals کی ترکیب روشن ہوتی جائے تو کیمیائی تسمیہ کی بہت سی مشکلات رفع ہوجائینگی۔ پھر میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تسمیہ میں عناصر کے ناموں کو افعال کے طور پر استعمال کرلینا چاہیئے۔ اِن

ناموں کو افعال کے طور پر استعمال کرلیا جائیگا تو تسمیہ کے لئے اختیار کئے ہوئے لفظوں میں کیمیائی **تغیرات** پر دلالت کرنے کی قابلیت پیدا ہوجائیگی۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ طریقہ کہاں تک کام دے سکتا ہے۔ اور اِس سے فنِ کیمیا کی ضروریات کس حد تک پوری ہوسکتی ہیں۔

اِس بحث میں اُلجھنے سے پہلے اِس بات کا تصفیہ کرلینا ضروری ہے کہ عناصر کے ناموں کو افعال کے طور پر استعمال کرنے کے لئے کس زبان سے کام لینا چاہیئے۔ میرے اسلامی جذبات اِس مقام پر پہنچ کر **عربی** کو ترجیح کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ عناصر کے ناموں سے اسمِ مفعول کا صیغہ وضع کرلیا جائے تو کام چل سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ صورت عملاً کارآمد نہیں۔ اِس سے عناصر کے ناموں کی ہیئت اِس قدر مسخ ہوجائیگی کہ اصلیت کا تلاش کرنا سخت مشکل ہوگا۔ پھر ایک اور مشکل بھی ہے جو اِس سے زیادہ قابلِ لحاظ ہے۔ یعنی عربی کی صرف و نحو میں مرکب افعال کی گنجائش نہیں۔ اِس لئے جب سادہ Radicals سے گزر کر ہم مرکب Radicals پر پہنچینگے تو عربی صاف جواب دے دیگی۔ مثلاً کاربن کو فحم مان کر Carbide radical کو ہم مفحم کہہ سکتے ہیں۔ لیکن جب اُس Radical کی باری آئیگی جو کاربن اور آکسیجن سے مرکب ہے (CO_2)

تو اُسے کیا کہا جائیگا؟ عربی کے بعد اُردو پر نگاہ پڑتی ہے۔ اور اُردو کے لئے "اپنی زبان" کے نام کی سفارش ایسی زبردست سفارش ہے کہ طبیعت خواہ مخواہ اسی کو اختیار کرلینا چاہتی ہے۔ لیکن اِس میں بھی کئی دقتیں ہیں جن کا خیال نہ رکھا جائیگا تو ہماری کوشش کی منزلیں صعب سے صعب تر ہوجائینگی۔ اُردو سے کام لینے میں سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ تسمیہ میں ہمیں بیشتر فعل کی اُس شکل سے کام لینا ہے جو اسمِ مفعول کے لئے مخصوص ہے۔ اور اُردو میں اسمِ مفعول کی علامت کے طور پر ایک پورا لفظ استعمال ہوتا ہے۔اور اگر افعال کو توڑ مروڑ کر اسمِ مفعول کے لئے کوئی مختصر سی شکل پیدا کرلی جائے تو اِس صورت میں بھی یہ مشکل باقی رہ جاتی ہے کہ ہمارے اختیار کئے ہوئے تسمیہ میں "انٹرنیشنل" (بین الاقوامی) بننے کی قابلیت پیدا نہیں ہوتی۔ علاوہ بریں ہمارے حروفِ مغیرہ و تابع مغیرہ کا عمل اِس طرح بنائے ہوئے الفاظ کی ہیئت مسخ کردیگا۔ اور یہ بات ضرر سے خالی نہیں۔ اِس قسم کی مشکلات نے مجھے مجبور کردیا ہے کہ **فارسی** سے کام لوں۔ فارسی میں خوبی یہ ہے کہ اِس میں افعال کے ساتھ **ذرا ذرا** سی علامتیں لگادینے سے، یا اسماء اور افعال کو باہم ترکیب دے دینے سے چھوٹے چھوٹے اور خوبصورت الفاظ

بن جاتے ہیں - اور یہ ظاہر ہے کہ کیمیائی تسمیہ میں اِس قسم
کے الفاظ سے کام لیا جائیگا تو تسمیہ نہایت آسانی سے
"انٹرنیشنل" بن سکیگا - میرے معترضین کو شائد اِس پر یہ اعتراض
ہوگا کہ ہم اُردو بولنے والے ہیں - اِس لئے فارسی زبان
سے کام لینا قرینِ مصلحت نہیں - لیکن یہ اعتراض ایک
سطحی سا اعتراض ہے جو صرف اعتراض ہی کی خاطر پیش
ہوسکتا ہے - فارسی، اُردو کا ایک ایسا جُز ہے کہ اُسے اُردو
سے کوئی خارج نہیں کرسکتا - علاوہ بریں الفاظ کی جو ترکیبیں
ہم استعمال کرینگے وہ اُردو میں یہاں تک رائج ہوچکی ہیں
اور یہاں تک ہرکہ و مہ کی زبان پر جاری ہیں کہ اب
اُنہیں اُردو کی ترکیبیں نہ سمجھنا اور اُردو کی صرف و نحو
سے خارج کردینا سخت نادانی ہے -

یہ بات البتہ قابلِ لحاظ ہے کہ عناصر کے لئے جو
نام تجویز کئے گئے ہیں اُن میں بعض ہندی، بعض فارسی،
اور بعض عربی ہیں - ہم ہر ایک پر فارسی صرف و نحو
کے احکام جاری کرینگے - اور یہ آزادی "اُردو فصحا" کی
شریعت میں جائز نہیں - لیکن اِس اعتراض کو پیش کرتے
وقت یہ بات بھی نگاہ میں رہنی چاہیئے کہ اظہار مافی الضمیر
کی ضرورت الفاظ کی آرائش و زیبائش اور فصاحت کے
لوازمات پر بہرکیف مقدم ہے - پھر زبان کے اصول جن
چیزوں کی اجازت دیتے ہیں اور الفاظ کی جن شکلوں کو

اہلِ زبان بلا تکلف سمجھ لیتے ہیں اُنہیں اظہارِ مافی الضمیر کی ضرورت سے استعمال کر لیا جائے تو اِس میں کیا ہرج ہے؟ اور پھر ہم تو اِس آزادی سے صرف ایسے موقعہ پر کام لے رہے ہیں جہاں ہمارے فصحا کی فصاحت کے تمام لوازمات، اظہارِ مافی الضمیر سے عاجز آگئے ہیں۔

اِس بات کی طرف پہلے اشارہ کرچکا ہوں کہ مختلف زبانوں کے الفاظ کو ترکیب دے کر بیان کے لئے ایک نیا پیرایہ پیدا کرلینا اصولِ السنہ کی خلاف ورزی نہیں۔ اب یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ایک زبان کے الفاظ پر دوسری زبان کی صرف و نحو کے احکام جاری کرلینا بھی عین جائز ہے۔ اِس آزادی کی دو صورتیں حسبِ ذیل ہیں:—

(۱) زبانوں میں یہ بات عام دیکھنے میں آتی ہے کہ اہلِ زبان غیر زبانوں کے الفاظ لیتے ہیں اور اُنہیں اپنی زبان کی صرف و نحو کی تابع کر لیتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی اُردو میں بھی اِس کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً فرمان سے فرمانا، بدل سے بدلنا، بخش سے بخشنا، خرچ سے خرچنا، قبول سے قبولنا، انگیز سے انگیزنا، لرز سے لرزنا، نواز سے نوازنا، بحث سے بحثنا، گرم سے گرمانا، گم سے گمانا، وغیرہ وغیرہ بن گئے ہیں۔

فارسی میں بھی اِس آزادی کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ دیکھ لیجیے فہم سے فہمیدن، رقص سے رقصیدن،

غارت سے غارتیدن، طلب سے طلبیدن، شم سے شمیدن،
مکر سے مکریدن، طوف سے طوفیدن، وغیرہ وغیرہ کس طرح
بن گیا ہے۔ اور امیر خسرو کی خوش وقتی دیکھئے کہ
چلنا سے چلیدن بنا کر فارسی میں چلا دیا۔ عرفی کی آزاد منشی
اِس سے بھی زیادہ قابلِ داد ہے کہ سَیر سے سَیریدن،
بمعنی رفتن فرض کر لیا اور اُس سے فارسی طور پر مے سَیر
کا اشتقاق کیا ہے:—

کرم گفتا پرستار است بے غیر
بیا دستِ تحمّل گیر و مے سَیر

اور سالک یزدی نے تمیز سے تمیزیدن، بمعنی تمیز کردن
مان لیا ہے اور اُس سے مضارع کے طور پر تمیزد استعمال
کرتا ہے:—

سالک نفروشند بما بادۂ صافی
کو ذائقۂ محتسبے تا بہ تمیزد

(ب) زبانوں میں یہ آزادی بھی عام ہے کہ اپنی
زبان کے الفاظ پر غیر زبانوں کی صرف و نحو کے احکام لگاتے
ہیں۔ اور اِس طرح نئے الفاظ بنا کر اپنی زبان میں استعمال
کرتے ہیں۔ اِس کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔ تراش سے مترّش
(زلفِ مترّش)، زیب سے مزیّب (لباسِ مزیّب) لب سے ملبب
(جامِ ملبّب)، طلا معرب تلا سے مطلا (لوحِ مطلا)، زلف
سے مزلّف (موئے مزلّف)، باہ سے مبہّی (معجونِ مبہّی)

روغن سے مُرغن، نرد سے نرّاد، وغیرہ وغیرہ بن گیا ہے اور لطف یہ کہ یہ آزادی مفردات سے گزر کر مرکبات تک پہنچ گئی ہے۔ اور خوش مذاق اہلِ زبان نے ششدر سے مُششدر، زرکش سے مُزرکش (جامۂ مزرکش) بنا لیا ہے۔ اِس بوالعجبی کی بھی چند مثالیں ملاحظہ فرمالیجیے:-

مترّش

ملا مفید بلخی:-

ہر گل کہ خار خار طمع سر زند ازو

در دیدہ بد قماش چو روئے مترّش است

منصور:-

از بسکہ بہمدمانِ بد، یار شدی

چوں حسنِ مترّش بنظر خوار شدی

ابو نصر بدخشانی:-

نزدِ مسلماں نہ بود شایاں

بہرِ امامت مردِ مترّش

غنیمت:-

گہے دہقان زن وگہ پیرِ دہقاں

گہے گبرِ مترّش گہ مسلماں

مزیّب

والہ ہروی :—

تاریخِ بناشں گفت والّہ

حمامِ شریف شد مزیّب

مزلّف

شوکت :—

مزلّف است رخِ خامہ ام زبختِ سیاہ

سوادِ شامِ فراقم خطِ لبِ جام است

علی خاں موجی :—

مزلّف چوں شود دلبر بدولت می رسد عاشق

خطِ مشکینِ او خاصیتِ بالِ ہما دارد

وحید :—

چنیں گر زیرِ خط پوشیدہ حسنش می برد دل را

عجب دارم کہ آں شوخِ مزلّف آدمی باشد

مشدر

ظہیر فاریابی :—

مہرۂ گل شد زمیں وز روئے مہر آں مہرہ را
بر بساطِ امراد نقشِ **مشدر** یافتند

کمال اسمٰعیل :—

بداں خدائے کہ بنمود زیرِ نُہ رقعہ
سہ مہرہ را **بمشدر** زنقشِ ہفت وچہار

نرّاد

نعمت خانِ عالی :—

نرّادِ فلکِ غلط انداز عجب مہرۂ بطاس انداخت۔

پھر عربی کی **تائے مصدری** لگا کر مصدر بنا لینے کی آزادی تو اِتنی عام ہے کہ جہاں چاہتے ہیں تائے مصدری کے عمل سے بلا تکلف نئے نئے الفاظ بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ فلاکت، نزاکت، بادشاہت، رندیت، فارسیت، رنگت وغیرہ بیسیوں الفاظ ہیں کہ روزانہ ہماری زبان پر جاری رہتے ہیں۔

عربی لفظوں کے ساتھ فاعل، صفت، ظرف، تصغیر وغیرہ کی علامتیں اِس طرح چسپاں کردی جاتی ہیں کہ گویا فارسی الفاظ استعمال ہو رہے ہیں۔ دولت مند، حاجت مند، طالع مند وغیرہ۔ غمگین، طرب ناک، غمناک،

خوفناک، طبلچی، نقارچی، قلعہ گی وغیرہ۔ صنم کدہ، دولت کدہ وغیرہ۔ طفلک، ٹھک، عینک، صندوقچہ، وغیرہ وغیرہ اِس کی مثالیں ہیں۔

یائے مصدری کا استعمال مفردات سے گزر کر مرکبات تک پہنچ گیا ہے۔ مثال کے طور پر زیادتی، سلامتی، صفائی، خوش اخلاقی، خوش وضعی، خوش طبعی، بد مذاقی، دولتمندی، حاجتمندی، طالع مندی، اقبال مندی، اقبال بلندی، شاہ شکوہی، وغیرہ کو ملاحظہ فرمائیے۔ پھر میں اشد ضرورت کے وقت نڈرباشی، امرت نوشی وغیرہ استعمال کر لوں تو اِس پر آپ کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟

عجمی الفاظ کی جمع اِس طرح بناتے جاتے ہیں کہ گویا خالص عربی الفاظ بول رہے ہیں۔ مثال کے لئے افغان سے افاغنہ، ترکمان سے تراکمہ، فرمان سے فرامین، بیگم سے بیگمات، باغ سے باغات وغیرہ بیسیوں الفاظ موجود ہیں۔ اور فارسی قاعدوں سے عربی اسماء کی جمع بنا لینے کا دستور تو اِتنا عام ہے کہ اِس پر کوئی اعتراض کی جرأت نہیں کرسکتا۔ عرفی کہتا ہے:

خدائے عزوجل صحتم دہد بینی کہ ایں منافقگاں را چہ آدرم بر سر

آپ خود اپنی اُردو میں بیسیوں فارسی اور ہندی الفاظ کے ساتھ جمع کی علامت ات بلا تکلف لگا دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف عربی، فارسی وغیرہ کے الفاظ کی جمع اُردو قاعدوں سے بناتے چلے جاتے ہیں۔ پھر اِس سے زیادہ لطف کی بات یہ ہے کہ ہندی والوں نے جس طرح پینا سے پیاس، کرنا سے کراس، گھنا سے ہگاس،

موتنا سے 'مُتاس' کا اشتقاق کیا اُسی طرح رہنا سے رہاس بنایا۔ یہی لفظ آپ کے ہاتھ میں آیا تو آپ نے اِس میں فارسیانہ تصرف کیا اور اُس کی شکل بدل کر اِس طرح رہائش بنا لیا کہ گویا فارسی میں کوئی مصدر "رہودن" ہے جس سے اشتقاق کر رہے ہیں۔

اِس قسم کے الفاظ نہایت آزادی سے استعمال ہوتے ہیں اور لطف یہ کہ اِس جرم کے ارتکاب میں ہندی اور ایرانی دونوں برابر کے حصہ دار ہیں۔ پھر کیا **ضرورت** کا حکم اِتنا قوی نہیں کہ میں بھی اِس آزادی سے فائدہ اُٹھا کر ایک ایسی **ضرورت** کو پورا کرلوں جو اَور کسی طرح پوری نہیں ہو سکتی اور میرے مخدوم اس پر اعتراض نہ کریں؟ یہاں اِس بات کا جتا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میں اِن آزادیوں کی تعمیم کا طلبگار نہیں۔ صرف **ضرورت** کو پیشِ نظر رکھتا ہوں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ مختلف زبانوں کے الفاظ کو باہم ترکیب دے کر نئے الفاظ بنا لینا' غیر زبان کے الفاظ کو اپنی زبان کی صرف و نحو کی تحت میں لے آنا' اور اپنی زبان کے الفاظ پر غیر زبان کی صرف و نحو کے قواعد جاری کر لینا' اصولِ فصاحت کی خلاف ورزی نہیں تو میرے احباب اعتراض کے لئے ایک نیا رستہ پیدا کرینگے۔ اور یہ کہینگے کہ غیر زبان کے الفاظ پر اپنی صرف و نحو کے احکام جاری کرنا' یا اپنی زبان کے الفاظ کو غیر زبان کی صرف و نحو کے تابع

کر دینا، اَور بات ہے۔ اور غیر زبان کے الفاظ پر اُسی زبان
یا کسی اَور زبان کے احکام جاری کرنا، اَور بات ہے۔
مثلاً فارسی الفاظ سے فارسی الفاظ کا اشتقاق کرنا یا فارسی
الفاظ کو ترکیب دے کر مرکب فارسی الفاظ بنا لینا صرف
فارس والوں کا حق ہے۔ ہم اِس آزادی سے فائدہ
نہیں اُٹھا سکتے۔ لیکن یہ اعتراض محض تنگ نظری کا
نتیجہ ہے۔ یہ آزادی تو وہ آزادی ہے جس سے ہمارے
ملک کے اہلِ زبان مدت سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔
اور اِس طرح الفاظ بنا لینے کا اصول ہماری زبان میں
اِتنا عام ہو چکا ہے کہ اب ہم اِسے اپنی زبان کی
صرف و نحو سے خارج نہیں کر سکتے۔ نہ ہمارے فصحا
میں اتنی طاقت ہے کہ اِس طرح بنے ہوئے الفاظ کو
"سماعی" کہہ کر اہلِ زبان کی زبان بند کر دیں۔ واقعہ یہ
ہے کہ ہماری زبان میں جو اِس قسم کے الفاظ پیدا
ہوئے ہیں وہ محض الفاظ کی حیثیت سے پیدا نہیں ہوئے۔
بلکہ اِس طرح پیدا ہوئے ہیں کہ اُن کے ساتھ ساتھ
ہماری زبان میں ادائے مطالب کے لئے ایک پیرایہ
پیدا ہو گیا ہے۔ اور اُردو بولنے والی دنیا اِس پیرایہ
سے یہاں تک آشنا ہو چکی ہے کہ اب اِسے جزوِ زبان
سمجھنا چاہیئے۔ اِس پیرایہ کو اپنی زبان سے خارج سمجھ لینا
گویا اپنی زبان کی صرف و نحو کا ایک عضو کاٹ کر

پھینک دینا ہے۔ ذیل میں اِس آزادی کی بھی چند مثالیں درج کر دیتا ہوں :—

روشنائی (سیاہی) اور سیاہی خود، دستانہ، شبنم، تن زیب، جامدانی، کامدانی، وغیرہ۔ رہباری، فارغ خطی، دست پناہ یا دسپناہ، خوش دامن، جمعدار، رسالدار، برقنداز، ازغیبی وغیرہ وغیرہ۔

میرے مخدوم جو اِن دعووں سے کہ "نئے" الفاظ کا بنانا ناجائز ہے، اصطلاحات وضع کرنے کا حق بھی ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں اُن کی توجہ کے لئے اگر یہ عرض کروں کہ یہ اور اِس قسم کے اَور بہت سے الفاظ "نئے" بنے ہوئے ہیں، تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔ پھر اِن میں بعض وہ بھی ہیں جن کے متعلق ہم بالتعیین بتا سکتے ہیں کہ کب بنے، کیونکر بنے، اور کس نے بنائے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں :—

اکبر اور جہانگیر کی خوش مذاقیوں نے بیسیوں "نئے" الفاظ بنا دئے۔ اِن میں ایک شہتوت بھی تھا جو آج تک ہندوستان میں رائج ہے۔ بھنگی کو "ہلاک خور" کہتے تھے۔ اکبر نے حلال خور کہا اور قبولِ عام نے اِس محبت سے لیا کہ آج تک موجود ہے۔ نواب سعادت علی خاں نے ملائی کا نام بالائی رکھا۔ آج تک لکھنؤ کے بچے بچے کی زبان پر ہے اور دوسرے مقامات کے اُردو دان بھی اِس سے

نا واقف نہیں۔ محمد شاہ نے بلبل کے لئے گُلدُم کا لفظ وضع کیا اور ہمارے "اردو فصحا" کی زبان اِس کی شہرت کو دبا نہ سکی۔ اِسی رنگیلے بادشاہ نے سنگترہ کے لئے رنگترہ کا نام تجویز کیا اور خود انصاف فرمائیے آج ہمارے فصحا دونوں میں سے کس کو ترجیح کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جہانگیر نے شراب کا رامرنگی نام رکھا اور گو قبولِ عام کے درجہ پر نہ پہنچا تاہم کسی نہ کسی صحبت میں آج بھی زبان پر آ ہی جاتا ہے۔ محمود غزنوی نے ہندوستان میں آکر آم کھایا تو اُس کی لطافت کے مزے لے کر خوش ہؤا۔ نام سُنا تو پسند نہ آیا۔ کہا اِس کا نغزک نام ہونا چاہیئے۔ اور قبولیت کا لطف ملاحظہ ہو کہ شعرا تک نے ہاتھوں ہاتھ لے لیا۔ دیکھو اِس واقعہ کو صدیاں گزر گئی ہیں۔ اور افصح الشعرائے ہند امیر خسرو کس مزے سے نام لیتا ہے۔

نغزکِ خوش مغزکنِ بوستاں

خوب تریں میوۂ ہندوستاں

یہاں اِس بات پر بھی غور فرمایئے کہ الفاظ کی دنیا میں محمود اور اتابک کا سکہ اِتنا رائج نہ تھا جتنا فردوسی اور سعدی کا۔

اِن ترکیبوں کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ

ایران والوں نے انہیں قبول نہیں کیا تو میری تجویز پر اعتراض کرنے والوں کی نگاہ میں یہ ایک نہایت وقیع اعتراض ہوگا۔ لیکن اس بات کو بھولنا نہ چاہیئے کہ ایرانیوں کے اِن ترکیبوں کو قبول نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اپنی زبان سے اپنی ہی زبان کا ایک مستحسن پیرایۂ بیان خارج کردیں۔ ہندوستانیوں نے اِس بات کا کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ یہ ترکیبیں ایرانیوں کے لئے وضع کی گئی ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جس مطلب کے لئے وضع کی گئی ہیں وہ اِن سے بخوبی پورا ہو رہا ہے۔

احباب کی تسکینِ خاطر کے لئے یہاں یہ بات بھی جتا دینا چاہتا ہوں کہ ایرانیوں نے جو ہماری وضع کی ہوئی ترکیبوں کو قبولیت کی نگاہ سے نہیں دیکھا تو اِس سے بددل نہ ہونا چاہیئے۔ اِن ترکیبوں کو ایرانیوں کی نگاہ میں قبولیت حاصل نہ ہونا اِس بات کا نتیجہ ہے کہ ایرانیوں کو اِن ترکیبوں کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن کیمیا کے متعلق جو اسلوب مَیں اختیار کرنا چاہتا ہوں اُس سے ایرانی مستغنی نہیں ہو سکتے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ ایرانی بھی اِس کے لئے ہمارے ساتھ برابر کے حاجتمند ہیں۔ اور مَیں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ ایرانی اِس فن کی ضروریات کو فن کی نگاہ سے دیکھینگے تو وہ بھی اِن

مطالب کو ادا کرنے کے لئے اپنی زبان میں اِس سے

بہتر پیرایہ نہ پائینگے۔ اور اگر اہلِ ایران ضروریاتِ فن کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کریں اور یورپ کی کورانہ تقلید کے پابند ہوجائیں تو اُن کی خاطر ہم اپنی آزادیوں سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ علاوہ بریں جب ایران والے خود عربی الفاظ میں تصرف کررہے ہیں اور اِس حالت میں تصرف کررہے ہیں کہ عرب اُن کے تصرفات کو قبول نہیں کرتے، تو وہ ہمیں اِس قسم کے تصرفات سے کس طرح روک سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

فلک سے مفلوک، بمعنی فلک زدہ کس نے بنا لیا؟ عربی میں یاس سے یؤس آیا ہے۔ ایران میں آکر مایوس ہوگیا۔ اور کوئی ہے جو اِس کی شہرت سے انکار کرسکتا ہے؟ مرسل کی جگہ مرسول، متاثر کی جگہ مانوس اور مروج کی جگہ رائج استعمال کرتے ہیں اور فارسی کا کوئی فصیح اُن پر اعتراض نہیں کرتا۔ پھر عربی میں بہرے کے لئے اصم استعمال ہوتا ہے۔ ایرانیوں نے اِس کے مقابلہ میں صمیم بنا کر کھڑا کر دیا۔ غرض کہاں تک لکھتا جاؤں۔ الفاظ کا ایک طومار ہے کہ اِن ہی آزادیوں سے بنتا چلا گیا ہے۔ چند مثالیں عرض کرتا ہوں۔ اِن سے خود اندازہ فرمالیجے کہ فصحا نے خود، اپنی فصاحت کی شریعت سے کیسے کیسے ارتدادوں کا ارتکاب کیا ہے!!

عرفی:۔

قضا بہ حاکمِ دانش نوشتہ مصلحتے
فلک نہ دیدہ کہ مرسولِ او چہ مضمون است

باقر کاشی :—

مرغِ آبی کہ شد است **مرسول**

برفیں منقار آتشیں تن

ظہوری :—

کشتہ **مرسول** غالباً در راہ

شدہ سوراخ کیسۂ ارسال

عرفی :—

اگرچہ ہست مبرہن کہ در مسیرِ وجود

موثر اند صفاتِ الٰہ نے **ماثور**

بدر چاچ :—

مشتریِ نہاد نقدے **رائجے** در بار من

عرفی :—

نوائے مرثیۂ صوم و شادیانۂ عید

کشادہ از اثرِ انبساط گوشِ **صمیم**

حاذق گیلانی :— اِس میں یہ بات بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ شعر میں عربی لفظ بخوبی کھپ سکتا تھا۔ اِس پر بھی

شاعر کی نگاہ نے اپنے ہی اہلِ وطن کی "بنائی ہوئی" شکل انتخاب کی ہے:-

نصیحتے کہ بہ گوشم زبانِ عالم گفت
چناں بود کہ بگوشِ صمیم ابکم گفت

مجھے یاد ہے، میرے مخدوم جس آخری حربہ کو ہاتھ میں لے کر میری آزادیوں پر حملہ کرینگے، وہ یہ ہوگا کہ اہلِ فارس کا عربی الفاظ میں فارسیانہ تصرف یا ہندوستانیوں کا عربی اور فارسی کے الفاظ میں ہندیانہ تصرف بجا ہے۔ لیکن اساتذہ کے کلام میں اِس بات کی مثالیں موجود نہیں کہ عربوں نے فارسی اور ہندی الفاظ میں عربیانہ تصرف کیا ہو۔ یا عرب اور فارس کے رہنے والوں نے ہندی الفاظ پر عربیانہ یا فارسیانہ رنگ چڑھا لیا ہو۔ پھر اِس سے آگے بڑھینگے تو یہ فرمائینگے کہ غیر زبان والوں نے جہاں جہاں عربی الفاظ میں عربیانہ اور فارسی الفاظ میں فارسیانہ تصرفات کئے ہیں وہ اِن ہی تک محدود ہوگئے ہیں اور اہلِ زبان نے انہیں قبولیت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ لیکن اِس بحث میں یہ بات بھی نگاہ میں رہنی چاہیئے کہ عربی اور فارسی میں حاکم و محکوم کا تعلق رہا ہے۔ ہندوستان میں بھی عربی اور فارسی کا داخلہ حاکمانہ داخلہ تھا۔ جن لوگوں کو ہم اساتذہ کہتے ہیں اُن میں کتنے تھے وہ جن کا دامن حکومت پرستی، یا حکومت پرستوں کی تقلید، کے داغ سے پاک تھا؟ زبانوں پر

حاکمانہ اور محکومانہ تعلقات کا جو اثر ہؤا کرتا ہے وہ بیان کا محتاج نہیں۔ اِس صورت میں تغیرات اور اُن کی قبولیت کی رَو کا، عرب سے ایران کی طرف اور ایران سے ہندوستان کی طرف چلنا ایک امرِ طبعی تھا۔ لیکن اِس رَو کا رخ اِس کے برعکس ہو جانا ممکن نہ تھا۔ پھر اساتذہ کے کلام سے اِس مطلب کے لئے سند تلاش کرنا اور نطق و بیان کو اساتذہ کی پابندیوں کا مقید کر لینا کس مصلحت پر مبنی ہے؟ زبانوں میں اگر حاکمانہ اور محکومانہ تصرفات جائز ہیں تو کیا **ضرورت** کا حق اِس پر مقدم نہیں؟

اِن ابتدائی مرحلوں کو طے کر لینے کے بعد اب اپنی تجویز عرض کرتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ اِتنی دیر تک ایسی باتوں میں اُلجھنا پڑا جو فنِ کیمیا سے غیر متعلق ہیں۔ لیکن کیا کروں مجبوری کے حکم سے سب ہی کچھ کر لینا پڑتا ہے۔ اِن سہاروں کو چھوڑ دوں تو میرے مخدوم پہلے ہی قدم پر میری زبان پکڑ لینگے۔

کیمیائی تسمیہ کی ابتدا سادہ مرکبات کے ناموں سے ہونی چاہئے۔ یہ وہ مرکبات ہیں جن کی ترکیب میں صرف دو اجزاء شامل ہیں۔ اِس قسم کے مرکب کا نام اُس کے دونوں اجزائے ترکیبی کے ناموں پر مشتمل ہوگا۔ وہ جُزء جو مقابلۃً زیادہ Electro-negative یا اپنے کیمیائی خواص کے اعتبار سے زیادہ **ادھاتی** ہے اُس کا نام بعد میں

آئیگا - اور اُس کے ساتھ Suffix کے طور پر علامت ید استعمال کی جائیگی - مثلاً

Hydrogen Sulphide	=	حمضین کبرید
Sodium chloride	=	نطرونیہ سبزید
Copper oxide	=	تانبا مائید
Potassium Iodide	=	قلویہ بنفشید
Hydrogen oxide	=	حمضین مائید
Magnesium Nitride	=	مغنیسیہ شُرجید

اِس میں کبریدن (بمعنی "گندکانا") وغیرہ کا وجود مان کر فارسی طور پر اشتقاق کیا ہے - زبان کے اعتبار سے اِس ترکیب کی خوبی ظاہر ہے - پھر ہر نام کو دیکھ لیجے خودبخود کیمیائی تغیر کا پتہ دیتا ہے - کیمیائی تعامل کے وقت مادہ کے جو واردات ہوتے ہیں اور تعامل کے بعد مادہ جو شکل اختیار کرلیتا ہے اُسے کیمیا دان کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اُس کو تعبیر کرنے کے لئے اِس سے بہتر کوئی پیرایہ نہیں مل سکتا۔ اور لطف یہ کہ نام Conventions کی قید سے آزاد ہیں - علاوہ بریں فارسیت کے اعتبار سے بھی یہ ترکیب غلط نہیں - یہ آپ کے خون آلود اور زہر آمود کا تتبع ہے -

اِس مقام پر یہ اتفاق بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ ہمارے ہندو بھائی بھی اِس موقعہ پر یہی علامت "ید" استعمال کر رہے ہیں - مثلاً وہ Silicide کو شولید' Iodide کو نیلید' Chloride

کو ہریدؔ، Sulphide کو گندھیدؔ، وغیرہ وغیرہ لکھتے ہیں۔

کیمیا میں یہ واقعہ بہت عام ہے کہ عناصر ایک دوسرے کے ساتھ ایک سے زیادہ تناسبوں میں ترکیب کھاتے ہیں۔ اور اِس طرح اُن سے مختلف مرکب پیدا ہوجاتے ہیں۔ ایسی صورتوں میں یورپ والوں نے امتیاز کے لئے دو رستے اختیار کئے ہیں:۔

(ا) ناموں کے ساتھ مختلف علامتیں اناپ شناپ لگا دیتے ہیں۔

(ب) اِس قسم کے نام رکھتے ہیں جن سے مرکب کی کیمیائی ترکیب واضح ہو جاتی ہے۔

ہم اِن دونوں صورتوں کا تتبع کرسکتے ہیں۔ لیکن پہلی صورت محض Conventional ہے۔ اِس لئے جب تک کوئی اشد ضرورت لاحق نہ ہو اُس کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ **دوسری صورت** کیمیا کے عین حسبِ منشا ہے۔ اور میں اِسی کے تتبع کو ترجیح دیتا ہوں۔

مثلاً Phosphorus اور Chlorine کی ترکیب سے دو مرکب بیدا ہوتے ہیں۔ ایک PCl_3 اور دوسرا PCl_5۔ اِس قسم کے مرکبات کو ایک دوسرے سے تمیز کرنے کے لئے ہم ذیل کی صورتیں اختیار کرینگے:۔

(ا)

Phosphorous chloride	=	زُہرس سبزید
Phosphoric chloride	=	زُہرک سبزید

(ب)

Phosphorus tri chloride	=	زُہرین تر سبزید
Phosphorus Pentachloride	=	زُہرین پنج سبزید

اِسی طرح

Sulphur dioxide	=	کبریت دو مائید
Sulphur trioxide	=	کبریت تر مائید (ترمائید)
Carbon monoxide	=	کجلین اِکو مائید (یک مائید)
Carbon dioxide	=	کجلین دو مائید
tetroxide	=	چَو مائید
polyoxide	=	کثیر مائید (بہمائید)
Tri Ferric tetroxide	=	تِلوہک چَو مائید (تلوہا چومائید)

پہلی صورت میں مَیں نے س اور ک کو Suffix کے طور پر استعمال کیا ہے۔ یہ دونوں حرف ہندی میں نسبت کی علامتیں ہیں۔ مثلاً چورس بمعنی چار والا۔ چار کو چَور اور بہ تخفیف ر چَو بھی کہتے ہیں۔ چَو کی مثال چَوکور، چَوکھی، چوطرفی وغیرہ موجود ہے۔ ہندی میں ڈھینڈ کے معنی توند کے ہیں۔ یہی لفظ پنجاب میں جاکر ڈِھڈ ہوگیا ہے۔ اور پیٹ کے معنوں میں عام استعمال ہوتا ہے۔ اِس سے اُردو میں ڈھینڈس بمعنی توند والا

آتا ہے۔ک کی مثال میں گندک، رکھشک، (رکھوالی والا)، بھکشک (کھانے والا)، اشٹک (آٹھ والا)، موجود ہیں۔ فارسی میں بھی یہ حرف اِن معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً چوشک (ٹونٹی) پردک (پردہ والا۔چیستان)، آتشک (آگ والا مرض)، کشک (خط)۔ س کی بجائے ج بھی استعمال کرسکتے ہیں۔ یہ بھی نسبت کا حرف ہے۔ اور اُردو میں عام استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً سالہ سے سلج، بھائی سے بھاوج، آتما سے آتمج، نیر سے نیرج، وغیرہ۔ لیکن میں س کو ج پر ترجیح دیتا ہوں۔ اور ترجیح کی وجہ ظاہر ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں س اور ک کا استعمال محض Conventional ہے۔ اِس لئے اِن علامتوں کو حتی الوسع ترک کیا جائیگا۔ اور دوسری صورت جو کیمیا کے لئے زیادہ موزون ہے عام طور پر وہی استعمال کی جائیگی۔ میرے مخدوموں کو اِس Convention کے وجود سے اپنی اختیار کی ہوئی Conventions کی بھرمار کے جواز پر استدلال نہ کرنا چاہیئے۔ یہ وہ Convention ہے جس سے میرے مخدوموں کو بھی مفر نہیں۔ اِس ایک Convention سے بھی ہم حتّٰی الوسع بچتے رہینگے۔ اور اس کی بجائے عام طور پر دوسری صورت سے کام لینگے جو Convention کے میل سے پاک ہے۔

جہاں دو عنصر مختلف تناسبوں میں ترکیب کھا کر

دو سے زیادہ مرکب بنا دینگے، وہاں "کم" اور "پُر" کے الفاظ Electro-negative عنصر کے نام کے ساتھ Prefixes کے طور پر استعمال کئے جائینگے۔ مثلاً

لوہس کم مائید (کمائید) = Ferrous Hypoxide

لوہک پُرمائید = Ferric Peroxide

"لوہس کم مائید" سے لوہے اور مائین کا وہ مرکب مراد ہوگا جس میں "لوہس مائید" کے مقابلہ میں مائین کا تناسب کم ہے۔ اور "لوہک پُر مائید" سے وہ مرکب مراد ہوگا جس میں "لوہک مائید" کے مقابلہ میں مائین کا تناسب زیادہ ہے۔

گزشتہ تصریح میں جو تسمیہ کی دوسری صورت بتائی گئی ہے اُسے اختیار کرلیا جائے تو یہاں بھی س اور ک کے Conventional استعمال سے بچ سکتے ہیں۔

"کم" اور "پُر" کا استعمال Conventional نہیں۔ یہ دونوں لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے اصلیتِ واقعہ پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ "کم" کا معاملہ تو بالکل صاف ہے۔ "پُر" کا مفہوم البتہ توجیہ طلب ہے۔ اِس کا مفہوم سمجھنے کے لئے اُن مرکبات کی ترکیب پر غور فرمائیے جن کے ناموں کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوگا۔ انگریزی میں ایسے موقعوں پر Prefix "Per" استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ Prefix فنِ کیمیا کی زبان میں اِس امر کو تعبیر کرتا ہے کہ جس عنصر (یا Radical) کے نام کے ساتھ اِسے استعمال کیا گیا ہے، اُس کی

بڑی سے بڑی مقدار مرکب میں موجود ہے - اور بڑی سے بڑی مقدار سے یہ مراد ہے کہ مرکب میں جو دوسرا عنصر موجود ہے اُس کے ساتھ عنصر (یا Radical) مذکور اِس سے زیادہ مقدار میں ترکیب نہیں کھا سکتا - پھر کیا اِس خیال کو ادا کرنے کے لئے "پُر" سے کوئی بہتر لفظ مل سکتا ہے جو اِس سے زیادہ بے تکلفی کے ساتھ واقعہ مذکورہ کے کیمیائی مفہوم پر دلالت کرسکتا ہو ؟

Peroxide کو مثال کے طور پر لے لیجیے - اور اِسی خیال کو "کلیۂ دَورِ عناصر" کی روشنی میں رکھ کر دیکھئے - اِس کلیہ کے رو سے کسی عنصر کے Highest Typical oxide میں آکسیجن کی جتنی مقدار ہوسکتی ہے، جب اُس سے زیادہ مقدار میں اُس عنصر کے ساتھ آکسیجن ترکیب کھاتی ہے تو اِس سے جو Oxide پیدا ہوتا ہے اُسے Peroxide کہتے ہیں - پھر اِس حقیقت کو دیکھ لینے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے جو "پُر" کا لفظ اختیار کیا ہے اُس کے کیمیائی مفہوم میں Arbitrary convention کا بھی کوئی شائبہ ہے ؟

اِس طریق کے رو سے مائین کے مرکباتِ ثنائی کو ہم "—— مائید" کہینگے - اِن میں سے جو پانی کے ساتھ ترکیب کھا کر ترشہ بنا دیتے ہیں وہ "ترشئی مائید" ہونگے - اور وہ جو ترشوں کے ساتھ تعامل کرکے نمک

بناتے ہیں اُنہیں "اساسی مائید" کہا جائیگا - اگر یہ بات نگاہ میں ہو کہ تُرشئی مائید حقیقت میں تُرشہ ہے جس سے پانی کے اجزاء جُدا کر لئے گئے ہیں تو اِس صورت میں اِس کا دوسرا نام "اپن (ا = نہ + پن = پانی) تُرشہ" (Anhydride) ہوگا- الف ہندی اور فارسی دونوں میں نفی کا حرف ہے- ہندی میں اکال، امٹ، اٹل، وغیرہ اور فارسی میں اجنبان، ادربست، وغیرہ اِس کی مثالیں ہیں- اِساسی مائید اور پانی کی ترکیب سے جو مرکب بنتا ہے اُسے "حِمائید" (Hydroxide) کہا جائیگا- اور OH Radical کو "حِمائی" کہینگے - یہ ظاہر ہے کہ یہ نام بھی اپنے کیمیائی مفہوم پر بخوبی دلالت کرتے ہیں- اور اِن کے مفہوم کی توضیح کے لئے کسی Arbitrary convention میں پھنسنے کی ضرورت نہیں -

اِس بیان سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ مرکباتِ ثنائی کے تسمیہ میں میری تجویز کہاں تک کام دے سکتی ہے - اور کس حد تک فنِ کیمیا کو Conventions کے گورکھ دھندے سے بچالیتی ہے - اب اِس کے بعد یہ دیکھنا چاہیئے کہ مرکباتِ ثنائی سے آگے بڑھ کر یہ تجویز کہاں تک کامیاب ہوگی -

ترشوں کے جو معمولی نام کیمیا میں مروج ہیں وہ حقیقت میں علمی نام نہیں — اور اب کیمیا میں اُن کا وہی

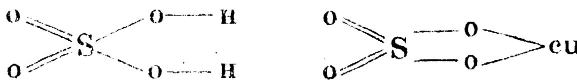
درجہ ہے جو دوسرے سوقیانہ ناموں کا ہے - کیمیا دانوں کے پاس بہت سے وجوہ موجود ہیں جن کی بنا پر مان لینا پڑتا ہے کہ ترشے حقیقت میں ہائیڈروجن کے نمک ہیں - چنانچہ وہ لوگ جو فنِ کیمیا کی Ionic Theory سے واقف ہیں وہ اِس بات کا بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ خیال کتنا وزندار ہے - پھر اِس سے ظاہر ہے کہ ترشوں اور نمکوں کے تسمیہ میں کسی قسم کی وجہِ امتیاز تلاش کرنا محض لاحاصل ہے - اِس بناء پر فنِ کیمیا میں Hydrogen Sulphate کا لفظ Sulphuric acid کے لفظ سے زیادہ موزون اور زیادہ معنی خیز ہے - اِس لئے میں اِسی کو ترجیح کی نگاہ سے دیکھونگا - اور ترشوں اور نمکوں کے تسمیہ کے لئے ایک ہی طریقہ اختیار کرونگا -

میری تجویز میں Radicals کے نام تسمیہ کے موقوف علیہ ہیں - اور Radicals کے ناموں میں Radicals کی کیمیائی ترکیب کا التزام ہے - اِس خیال کے رو سے Sulphuric acid، دو Radicals سے مرکب ہے جن میں ہائیڈروجن، اساسی Radical ہے - اور SO_4 ترشئی Radical - اِن دونوں کے نام رکھ لئے جائیں تو پھر دونوں ناموں کو ملا لینے سے Sulphuric acid کے لئے ایک ایسا نام تیار ہوجائیگا جو اِس مرکب کی کیمیائی ترکیب پر دلالت کریگا - اور یہی کیمیائی تسمیہ کی اصلی غایت ہے - اِس مطلب کے لئے ہم Radical

SO_4 کو ماکبریدہ کہہ سکتے ہیں - اِس صورت میں Sulphuric acid کا نام ہماری زبان میں حمضین ماکبریدہ ہوگا- اِس نام میں ماکبریدن کا وجود مان کر اشتقاق کیا گیا ہے-

اب ملاحظہ فرمایئے کہ یہ نام فنِ کیمیا کی ضروریات کو کس حد تک پورا کرسکتا ہے- جو صاحب کیمیائی تغیرات کی اصلیت سے واقف ہیں وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ نام بلاتکلف، کیمیائی تغیر کا پتہ دیتا ہے- اِس سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ جن عناصر کا نام لیا گیا ہے اُن کا ملاپ، طبیعی ملاپ نہیں- بلکہ ایسا ملاپ ہے جو طبیعی ملاپ کی حد سے آگے گزرا ہؤا ہے- یعنی اِس نام میں اِس بات پر دلالت کرنے کی قابلیت موجود ہے کہ اِس کے مسمیٰ کا وجود کسی کیمیائی تغیر کا نتیجہ ہے- پھر ماکبریدہ کی لفظی ترکیب پر غور فرمائیے- ماکبریدن سے اِس کا اشتقاق صاف بتا دیتا ہے کہ مائین اور کبریت کی ترکیب معمولی ترکیب نہیں بلکہ ایسی ترکیب ہے کہ اِن اجزاء کے ملنے سے جو چیز حاصل ہوئی ہے وہ ایک مستقل Radical بن گئی ہے- علاوہ بریں حمضین ماکبریدہ کے نام سے اِس بات کا بھی پتہ چل جاتا ہے کہ جس مرکب کا یہ نام رکھا گیا ہے اُس کی ترکیب میں حمضین، مائین، اور کبریت، کے سوا اور کسی چیز کا دخل نہیں-

یعنی نام خود بخود اپنے مسمیٰ کی کیمیائی ترکیب پر دلالت کرتا ہے۔ صرف ایک بات باقی رہ جاتی ہے۔ یعنی نام سے اِس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ مرکب کی ترکیب میں اُس کے اجزائے ترکیبی کا تناسب کیا ہے۔ سو یہ کچھ ہرج کی بات نہیں۔ H_2SO_4 اور Copper Sulphate کے Graphic Formula پر غور فرمائیے تو اِس نام کی کیمیائی خوبی زیادہ واضح ہوجائیگی۔ یہ شکل بھی آپ کے ملاحظہ کے لئے ذیل میں درج کردیتا ہوں :—



یہ مثال میرے مطلب کی وضاحت کے لئے کافی ہوگی۔ اب ترشوں اور نمکوں کے تسمیہ کی تفصیل عرض کرتا ہوں۔ انگریزی میں جن ترشوں کے ناموں کے ساتھ Ic — آتا ہے وہ اُن Oxides سے بنتے ہیں۔ جن کو تعبیر کرنے کے لئے میں نے ک کو حرفِ نسبت کے طور پر اختیار کیا ہے۔ اِن ترشوں کے نام رکھنے کا طریق وُہی ہوگا جس کی مثال اوپر عرض کرچکا ہوں۔ اور وہ تُرشے جن کے انگریزی ناموں میں امتیازی علامت Ous — ہے، اُن کے ناموں کے لئے مصدر کی شکل کو ذرا بدل دیا جائیگا۔ مثلاً SO_4 Radical کو تعبیر کرنے کے لئے

ماکبریدہ اختیار کیا گیا ہے۔ تو SO_3 Radical کو تعبیر کرنے کے لئے اُسی لفظ کو ماکبرودہ کردیا جائیگا۔ اِس بنا پر Hydrogen Sulphite یعنی Sulphurous acid کا نام حمضین ماکبرودہ ہوگا۔

مجھے افسوس ہے کہ اِس مقام پر پہنچ کر ایک اناپ شناپ Convention سے سابقہ پڑ گیا ہے۔ اور یہاں اِس کے بغیر چارہ نہیں۔ یعنی اِس بات کو فرض کرلینا پڑیگا کہ ہم ماکبرودہ کہینگے تو اِس سے SO_3 Radical مراد ہوگا۔ اور جب ماکبریدہ کہینگے تو اِس سے SO_4 Radical سمجھا جائیگا۔ اِس میں شک نہیں کہ س اور ک کے استعمال سے یہ Convention کسی قدر ہلکا ہوسکتا ہے لیکن اِس صورت میں دقّت یہ ہے کہ ذرا سے ہلکا پن کی خاطر تسمیہ کی بنا Radicals کے تسمیہ پر رکھنے کو نہایت موزون اصول ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ اِس لئے اِس Convention کو گوارا کرلینا چاہیئے۔ اور اِس فائدہ کو نگاہ میں رکھنا چاہیئے کہ اِس طریقہ نے کئی Conventions کے بوجھ سے بچا لیا ہے۔ میرے مخدوموں کو چاہیئے کہ میری تجویز کی اِس ذرا سی کمزوری کو اعتراض کے لئے بہانہ نہ بنالیں۔ بلکہ اِس موقعہ پر میری مدد فرمائیں اور کوئی ایسی صورت پیدا کریں کہ اِتنا سا Convention بھی باقی نہ رہے۔ اِس ذرا سے Convention کو سامنے رکھ کر بے شمار

Conventions کے جواز کے لئے رستہ بنا لینا ٹھیک نہیں۔

جب ترشئی Radicals کے ناموں کا فیصلہ ہوگیا تو ترشوں کے لئے ہم ذیل کے نام بھی رکھ سکتے ہیں :-

ماکبرودہ ترشہ	Sulphurous Acid
ماکبریدہ ترشہ	Sulphuric Acid
ماُشرجودہ ترشہ	Nitrous Acid
ماُشرجیدہ ترشہ	Nitric Acid

اِس مقام پر آکر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ میرے تجویز کئے ہوئے اصولِ تسمیہ کے رُو سے ترشوں کے اِن ناموں میں حمضین کی موجودگی کا بھی اشارہ ہونا چاہیئے۔اور وہ یہاں موجود نہیں۔ لیکن اگر آپ تعمقِ نظر دریغ نہ فرمائینگے تو ذرا سے غور کے بعد اِس نتیجہ پر پہنچ جائینگے کہ یہ سوال اہلِ فن کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ واقعہ یہ ہے کہ حمضین ہی مرکبات کے تُرشئی خواص کی اصل ہے۔ اِس لئے کسی مرکب کو ترشہ کہنا ہی گویا اِس بات کا اقرار کرلینا ہے کہ مرکب کی ترکیب میں حمضین موجود ہے۔

تُرشے دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن کی ترکیب میں مائین داخل ہے۔اور دوسرے وہ جن کی ترکیب میں مائین داخل نہیں۔پہلی قسم کے تُرشے کو ماتُرشہ (Oxyacid) اور دوسری قسم کے تُرشہ کو حمتُرشہ (Hydracid) کہا جائیگا۔ ما اور حم وغیرہ کے اختصار پر اعتراض نہ فرمائیے۔یہ بھی آپ کے فصحا کا متبع ہے۔ اور ضرورت کی پیدا کی ہوئی مجبوری

سے کیا گیا ہے۔ جب آپ کی زبان میں فارغ خطی سے فارخطی ہوگیا۔ فضیحت سے فضیحتی ہوکر فضیتی بن گیا۔ اور نظامی نے اصطرلاب سے صُلّاب بنا لیا۔ اور محض ضرورتِ شعری کے لئے بنا لیا' تو میں فنِ کیمیا کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اِس حق سے کیوں فائدہ نہ اُٹھاؤں :۔

ہمہ زیج و صُلّاب برداشتند
برآں کار یک ہفتہ نگزاشتند

اور تمیز' تغیر' نیت' محویت' خاصیت' کیفیت' کی ایک ایک "ی" اور مواسات' محاکات' محابات' مدارات' مفاجات وغیرہ کی "ت" جس طرح بے ڈکار ہضم ہو جاتی ہے اُس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ پھر ظہوری کی چیرہ دستی ملاحظہ فرمائیے۔ مضمون کا پیٹ پھاڑ کر ہمزہ اِس طرح نکال لیا ہے کہ گویا کوئی دیکھتا ہی نہیں :۔

خدا پیرایہ بخشد از قبولش
مضوں دارد زردِّ ہر فضولش

عرب' الفاظ کے اختصار سے گزر کر پورے جملوں کے اختصار پر پہنچ گئے ہیں۔ ہَلّلَ' بَسْمَلَ' اَیْش (اَیُّ شَیْءٍ) فَیْش (فِی شَیْءٍ)' وغیرہ اِس کی مثالیں ہیں۔ پھر میں نے جو کچھ کیا ہے اُس میں تو صرف و نحو کے قواعد کی بھی خلاف ورزی نہیں۔

یہ اُسی قاعدہ کا تتبع ہے جسے آپ ترخیم کہتے ہیں اور اُس کا سہارا لے کر ماتند سے مان بنا لیتے ہیں۔

ماترشوں کے ناموں کے ساتھ کم اور پُر کے الفاظ بھی استعمال ہونگے۔ اِن دونوں لفظوں کے مفہوم کی، اِس سے پہلے تشریح کر چکا ہوں۔ اور یہ بھی بتا چکا ہوں کہ اِن دونوں لفظوں کا کیمیائی مفہوم اناپ شناپ Conventions کے مَیل سے پاک ہے۔ اب ذیل میں تُرشوں کے نام ترتیب وار درج کرتا ہوں۔ یہ ترتیب، مائین کی مقدار کے اعتبار پر ہے۔ دیکھ لیجیے مائین کی مقداروں کے فرق کو تعبیر کرنے کے لئے جو الفاظ اختیار کئے گئے ہیں، وہ کس حد تک اِس واقعہ پر دلالت کرتے ہیں۔ صرف دو نام ایسے ہیں جن کے ساتھ Convention کا بوجھ ہے۔ اور اِس کی طرف مَیں پہلے اشارہ کر چکا ہوں۔ اِس Convention کے بعد باقی ناموں کے لئے خود بخود رستہ صاف ہو گیا ہے:—

کم ماکبرودہ تُرشہ	=	Hypo Sulphurous Acid
ماکبرودہ تُرشہ	=	Sulphurous Acid
ماکبریدہ تُرشہ	=	Sulphuric Acid
پُر ماکبریدہ تُرشہ	=	Per Sulphuric Acid

بعض Sulphides بھی تُرشے بنا دیتے ہیں۔ ترکیب کے اعتبار سے یہ تُرشے ماترشوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ صرف

اِتنا فرق ہے کہ اِن میں ماترشوں کی مائین کے بعض یا کُل جوہروں کی جگہ گندک کے جوہروں نے لے لی ہوتی ہے۔ اِس قسم کے تُرشہ میں جب تک مائین کا نشان باقی رہیگا اُسے ہم گندماترشہ کہینگے۔ اور جب گندک اُس میں سے تمام مائین کو نکال دیگی اور خود اُس کی جگہ لے لیگی تو اِس کا نام گندتُرشہ ہوگا۔ اِس نام میں بھی فنِ کیمیا کے تمام لوازمات موجود ہیں اور Arbitrary Convention کے غیر ضروری میل نے اِسے چھُوا تک نہیں۔

جب کسی ایک اپن تُرشہ (Anhydride) سے کئی تُرشوں کا اشتقاق ہوتا ہے تو اُن کا تعلق دکھانے کے لئے بہترین تدبیر یہ ہے کہ Fully hydroxylated type سے ابتدا کی جائے۔ اور یہ دکھایا جائے کہ اِس سے پانی کے خارج ہو جانے سے دوسرے تُرشے کس طرح بنتے جاتے ہیں۔ اِس بات کی ضرورت نہیں کہ Type مذکور جس تُرشہ کو تعبیر کرتا ہے اُس کا وجود خارج میں بھی موجود ہو۔ اگر اِس کا اپن ترشہ (Anhydride) موجود ہے تو وہی کافی ہے۔ اِس Type کے تُرشہ کو یورپ والے Ortho acid کہتے ہیں۔ ہم Ortho کی جگہ مطلق کا لفظ استعمال کرینگے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ لفظ جس واقعہ کو تعبیر کرنے کے لئے تجویز کیا گیا ہے اُس کی کیمیائی اصلیت پر بلا تکلف دلالت کرتا ہے۔

مطلق ماُزہریدہ تُرشہ = Ortho phosphoric acid

یا بقاعدۂ ترخیم مُطماُزہریدہ تُرشہ

پھر اِس سے پانی کے اجزا خارج کرتے جائینگے تو اِس سے جو تُرشے پیدا ہونگے اُن کے نام حسبِ ذیل ہو جائینگے :—

پہلا ورا ماُزہریدہ تُرشہ = First Meta Phosphoric acid

دوسرا ورا ماُزہریدہ تُرشہ = Second Meta Phosphoric acid

وغیرہ وغیرہ

اِس نام میں "ورا" کے لفظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اور یہ لفظ اپنا کیمیائی مفہوم صاف بتا رہا ہے۔ اِس کے مفہوم میں جتنا Convention ہے وہ لفظی Convention نہیں بلکہ خالص فن کا Convention ہے اور اِس قسم کے Conventions سے کوئی فن پاک نہیں۔

کبھی مطلق ماترشہ یا اُس سے پیدا شدہ کسی دوسرے ترشہ کی "نابیدگی" (dehydration) اِس طرح ہوتی ہے کہ اُس کے دو یا دو سے زیادہ سالموں کے وجود سے پانی کا اخراج ہوتا ہے اوراِن سالموں کے مابقا آپس میں ترکیب کھا کر ایک نئے Type کا تُرشہ بنا دیتے ہیں۔ اِس قسم کے تُرشہ کو یورپ والے Pyro acid کہتے ہیں۔ Pyro کے معنی آگ کے ہیں۔ Pyro Acid کی وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ مطلق ماتُرشہ وغیرہ کی "نابیدگی" کے لئے آگ سے کام لینا پڑتا ہے۔ ہم

Pyro کی جگہ ژند کا لفظ "آتر" استعمال کر سکتے ہیں - ژند میں آتش کی شکل آترش ہے - اور آترش اکثر بہ تخفیف ش آتر ہو جاتا ہے - اِسی کی بگڑی ہوئی شکل "آذر" ہے - آتر کی بجائے "تش" کا لفظ بھی استعمال کر سکتے ہیں - فارسی میں تش بمعنی آتش آتا ہے - لیکن میرے خیال میں آتر قابلِ ترجیح ہے - اِس کے استعمال سے لفظ کی ایک مستقل اور جداگانہ شکل قائم ہو جائیگی - اِس بنا پر

آترمازہریدہ تُرشہ = Pyro Phosphoric acid

یا تشمازہریدہ تُرشہ

اِس نام میں لفظ "آتر" یا "تش" کا استعمال بظاہر Conventional نظر آتا ہے - لیکن اِس بات کو نگاہ میں رکھنا چاہیئے کہ یہ لفظ ایک امرِ واقعہ کو تعبیر کرتا ہے - اور جب امرِ واقعہ کو تعبیر کرتا ہے تو پھر اُسے **محض** Conventional کیونکر کہہ سکتے ہیں؟

تسمیہ کے لئے جب ہم نے یہ اصول اختیار کر لیا کہ اُس کی بنا Radicals کے تسمیہ پر رکھی جائیگی اور یہ بھی مان لیا کہ فنِ کیمیا میں نمکوں اور تُرشوں کی **اصلیت** ایک ہے - تو اِس کے بعد نمکوں کا تسمیہ کچھ مشکل نہیں - چنانچہ تُرشئی Radicals کے نام تجویز ہو چکے ہیں - اب اُن کے ساتھ صرف اِساسی Radicals کا نام ملا دینا ہوگا -

نطرونیہ کم مابرودہ = Natrium Hypo Sulphite

نطرونیہ ماکبرودہ	Natrium Sulphite
نطرونیہ ماکبریدہ	Natrium Sulphate-
نطرونیہ پرماکبریدہ	Natrium Per sulphate

وغیرہ

جہاں ایک دھات کسی ترشے کے ساتھ دو نمک بناتی ہے وہاں س اور ک کو Suffix کے طور پر استعمال کیا جائیگا۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں ہمیں خاص طور پر اِن علامتوں کی ضرورت پڑیگی۔ مثلاً

لوہس ماکبریدہ	=	Ferrous sulphate
لوہک ماکبریدہ	=	Ferric sulphate

حم ترشے (Hydracids) مرکباتِ ثنائی میں داخل ہیں۔ اِس لئے اِن کے نمک بھی ثنائی مرکب ہیں۔ اِن کے تسمیہ کا طریق وُہی ہونا چاہیئے جو مرکباتِ ثنائی کے باب میں بیان ہوچکا ہے۔

مروّج نام مثلاً توتیا، نیلاتھوتھا، سبزکاہی، ہیراکسیس، سیندور، شنگرف وغیرہ بھی نظر انداز نہ ہونگے۔

مجھے افسوس ہے کہ پورا تسمیہ آپ کی خدمت میں پیش نہیں کرسکا۔ پورا تسمیہ آپ کی نگاہ کے سامنے آجاتا تو جو اصول مَیں نے اختیار کیا ہے اُس کی خوبی زیادہ واضح ہو جاتی۔ تاہم جتنے کی مجھے سردست ضرورت ہے، اُتنا تیار ہوگیا ہے۔ اور منزلِ مقصود کا رستہ دکھا دینے کے لئے یہی

کافی ہے۔ اب باقی چیزوں کے نام رکھ لینا کچھ مشکل نہیں۔
ہر Radical کے لئے اُس کی کیمیائی ترکیب کی رعایت
رکھ کر نام وضع کر لیجے۔ پھر اِن ناموں کو جوڑ جوڑ کر مرکبات
کے نام رکھتے جائیے۔ یہ نام اپنے مدلول کی **کیمیائی ترکیب**
پر **بلاتکلف** دلالت کرینگے جس سے فنِ کیمیا کی ایک **بہت**
بڑی مشکل حل ہو جائیگی اور فن آپ کے **قابو میں آجائیگا**۔

جس طرح، کسی فن کی خصوصیات معلوم کرنا ہو تو جب
تک اُس فن کے اندر داخل نہ ہو جائیں اِس مطلب کا حاصل
ہونا ممکن نہیں۔ اُسی طرح کسی فن کی زبان سمجھنے کے لئے،
اور زبان کی خصوصیات معلوم کرنے کے لئے بھی فن کے
اندر داخل ہونے کی ضرورت ہے۔ اس لئے میری التجا
یہ ہے کہ کیمیائی تسمیہ کا آخری فیصلہ کر لینے سے پہلے فن
کی ضروریات کو فن کی نگاہ سے ملاحظہ فرما لیجے۔ ورنہ
آپ کا اختیار کیا ہؤا رستہ کامیابی کے رستے سے یقیناً دُور
جا پڑیگا۔

آخر میں اِس بات کے لئے معافی کا خواستگار ہوں
کہ اِس مضمون میں مَیں نے بعض باتوں کو جو بظاہر غیر متعلق
معلوم ہوتی ہیں زیادہ پھیلا دیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جو کچھ کیا
گیا ہے مشکلات کی مجبوری سے کیا گیا ہے۔ باقی دنیا
میں علوم و فنون کی ترویج و حفاظت کے متعلق یہ شد و مد
اور وارفتگی نہ ہوگی جس شد و مد اور وارفتگی کے ساتھ میرے

سامنے اُردو کے ٹکسالی محاوروں، ٹکسالی الفاظ اور الفاظ کے ٹکسالی مفہوموں کی پرستش کی بحث چھڑ گئی ہے - پھر اِس طوفان میں صرف نفسِ مطلب ہی پر نگاہ رکھوں تو میرے بچاؤ کی کیا امید ہوسکتی ہے؟ تفصیل سے کام نہ لیتا تو مضمون ادھورا رہ جاتا۔ اور میرے مخدوم مصنوعی اور بے اصول فصاحت کے فتووں سے میری آزادی کی تمام راہیں بند کر دیتے۔

ہمارے ملک میں **اصحاب رائے** کے تین گروہ ہیں۔ اور مجھے اِن تینوں گروہوں کی تسلی کرنا ہے۔

ایک گروہ کی شریعت میں، نئی اصطلاحات اور اصطلاحات کے لئے نئی ترکیبیں وضع کرنا، اور موجودہ الفاظ کا جو آج کل مفہوم ہے اُس سے اِدھر اُدھر ہٹ جانا، یا اِن الفاظ کے کسی ایسے مفہوم کو جو فی الحال ہماری نگاہ سے ہٹا ہؤا ہے جگا لینا، قطعاً حرام ہے۔ اِس گروہ کے ارکان اُتنی ہی اُردو کو اُردو زبان سمجھتے ہیں جتنی شعرائے اُردو کے دیوانوں میں آگئی ہے۔ اور جو کچھ اِن دیوانوں کے باہر ہے اُس کا اُن کی نگاہ میں کوئی وجود نہیں اور اگر ہے تو وہ سب کچھ "اُردو فصاحت" کی لن ترانیوں کے سامنے مطرود اور مردود ہے۔ پھر طرفہ یہ کہ اِس گروہ کے ارکان زبان کے مسائل میں **قواعد** اور **اصول** کے قائل نہیں۔ حرف حرف اور نقطہ نقطہ کو سماع پر منحصر سمجھتے ہیں۔ اِس بوالعجبی کا نتیجہ یہ ہے کہ مجھ سے طبیعیات اور کیمیا کے مطالب کو

زلف و گیسو، گل و بلبل، سرو و قمری، نرگس و سوسن، جعد و سنبل، لب و رخسار، غنچ و دلال، ہجر و وصال، شکایتِ فلک، شکوۂ بخت، ابر و باراں، مے و مطرب، جام و ساقی، وغیرہ کی زبان میں ادا کرنے کی تمنا کی جاتی ہے۔ اِس شریعت کا گویا یہ فتویٰ ہے کہ مطالب علمی اور نکاتِ حکمی کو بیان کرنے کے لئے تخیل میں کسی قسم کی جدت پیدا کرنے کی ضرورت پیش آجائے اور ہمارے شعرا کا ٹکسالی محاورہ یا ہندوستان کے بعض شہروں کی "دال چپاتی" اور "توے پرات" کی زبان اِس ضرورت کو پورا کرنے سے عاجز ہو جائے تو ضرورت کو ترک کر دو اور رواج کے پرستار بن جاؤ۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ اِن دعووں کی پشت پر فصاحت کا زور ہے۔ اور محاورہ کا التزام فصاحت کا جزوِ لاینفک ہے۔ لیکن اِس کے ساتھ ہی میں فصاحت کی غرض و غایت کو بھی بھولنا نہیں چاہتا۔ صانعِ قدرت نے جب انسانی تخیل کو وسعت کے اعتبار سے ایک میدانِ بے پایان بنا دیا ہے تو کیا اِس بات کی ضرورت نہیں کہ تخیل کا ساتھ دینے کے لئے فصاحت کے اصولوں میں بھی وسعت کی گنجائش ہو؟ فصاحت کے التزام کا اصلی مقصد یہ ہے کہ متکلم کی زبان سے جو کچھ نکلے سامع کے ذہن میں بالتعیین اُس کا وہی مفہوم قائم ہو جائے جو متکلم کے ذہن نشیں ہے۔ اب اگر آپ کوئی اِس قسم کا مضمون بیان کرنا چاہیں جس میں آپ کے مقرر کئے ہوئے اصول فصاحت کام نہ دے سکتے ہوں اور اُن کے التزام سے متکلم

اور سامع کے درمیان تاریکی کے پردے کھڑے ہوتے جائیں تو کیا اِس فصاحت کو فصاحت کہنا جائز ہوگا؟ کیا ایسی صورتوں میں آپ اپنی فصاحت کو موردِ الزام قرار دینگے یا مضمون ہی کو ترک کر دینگے؟

یہ مسلم ہے کہ ابتدا میں ہر لفظ ایک ہی معنی کے لئے وضع ہوتا ہے۔ پھر انسان جوں جوں تمدن کے مدارج طے کرتا جاتا ہے اور اُس کے تخیل میں وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے، الفاظ کا مفہوم بھی پھیلتا جاتا ہے۔ اہلِ زبان کو جب کوئی ایسا خیال ادا کرنا پڑتا ہے جس کے لئے زبان میں پہلے سے کوئی لفظ معین نہیں تو وہ اُن خیالات پر نگاہ ڈالتے ہیں جو اِس نئے خیال کے ساتھ بہت قریب کا تعلق رکھتے ہیں۔ اور اِن خیالات کو ادا کرنے کے لئے جو الفاظ معین ہو چکے ہیں اُن میں سے کسی مناسب لفظ کو لے کر اپنا نیا خیال ادا کر لیتے ہیں۔ اِس طرح ایک ایک لفظ رفتہ رفتہ کئی مفہوموں کا مالک بن جاتا ہے۔ اور اکثر الفاظ کی تو یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اُن کے ابتدائی اور انتہائی مفہوموں میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ میں وہ الفاظ بھی بتا سکتا ہوں جو ابتدا میں کسی خاص مفہوم کو ادا کرنے کے لئے وضع کئے گئے تھے۔ پھر انسانی تخیل کے انقلابات نے اُن کے مفہوم کو آخر اِس درجہ پر پہنچا دیا کہ اُسے ابتدائی مفہوم کے ساتھ بظاہر کوئی مناسبت

ہی نہ رہی۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ ہر لفظ کو ازل سے ابد تک اُسی مفہوم پر قائم رکھنا چاہیئے جو زبان کی ابتدائے آفرینش میں اُس کو پہنا دیا گیا تھا تو دنیا میں وہ کون ہے جس کی یہ تمنا پوری ہو سکتی ہے! اور کونسی زبان ہے جو اِس ناممکن التزام پر قائم رہ سکتی ہے! زبانیں ہمیشہ تخیل کی تابع ہؤا کرتی ہیں۔ تخیل میں انقلاب پیدا ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ ہی زبانوں میں بھی انقلاب آجاتا ہے اور اِس قسم کے فطری انقلابوں کو کوئی روک نہیں سکتا۔

وہ اصحاب جو اِس قسم کے التزاموں کے دل دادہ ہیں اُنھیں اپنی ضد پر قائم رہنے کا تہیہ کر لینے سے پہلے تواریخِ السنہ پر بھی نگاہ ڈال لینی چاہیئے۔ اِس مطلب کے لئے اسلامی قومیت کی جان یعنی عربی زبان اور ہندوستان کی مردہ زبان سنسکرت کے انقلابات کا مطالعہ زیادہ موزون ہوگا۔ اِن زبانوں کے ساتھ ہمارے نہایت قریب کے تعلقات ہیں۔ اِس لئے اِن کے انقلابات کو ہم زیادہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ آریہ قوم اپنے قدیم وطن کو چھوڑ کر جب ہندوستان میں آگئی تو کیا یہ ممکن تھا کہ ہندوستان میں آکر نئے پیدا ہونے والے خیالات کو ادا کرنے کے لئے وہی ٹکسالی محاورے، وہی ٹکسالی الفاظ، اور الفاظ کے وہی ٹکسالی مفہوم کفایت کرتے جو ہندوکش کی گھاٹیوں میں اور جیحون وسیحون کے کناروں پر پیدا ہونے والے خیالات کو ادا کرنے کے لئے کفایت کرتے تھے؟ پھر ایک مدت کے اندرونی انقلابات کے بعد جب ہندوستان کے

میدانوں میں اسلامی سیلاب آیا تو ہندوستان کی پُرانی زبان نے اِس نئے تخیل کا جس حد تک ساتھ دیا آج اُس کا حرف حرف آپ کی نگاہ کے سامنے ہے۔ پھر اپنے ذاتی کارناموں کو بھی دیکھ لیجے۔ آپ کے آبا و اجداد ہندوستان میں کونسی زبان لے کر داخل ہوئے اور آج آپ کونسی زبان بول رہے ہیں!! کیا اُنہیں اپنی زبان اور زبان کی فصاحت کا خیال نہ تھا؟ اور کیا وہ آپ کو وہی بولیاں نہ سکھاتے تھے جو خود بولا کرتے تھے؟ عرب میں ایک وہ زبان تھی جس کی صدائیں **عکاظ** کے میدان میں گونجا کرتی تھیں۔ اور ایک وہ زبان ہے جس کی فصاحت کے چشمے **فاران** کی وادیوں اور **یثرب** کے میدانوں سے اُبلے اور اُن کے پیدا کئے ہوئے سیلاب نے ایک عالم کو سیراب کر دیا۔ پھر ایک وہ زبان ہے جس میں حکمائے اسلام نے الٰہیات کے مطالب اور حکمت کے نکات بیان کئے۔ غور فرمائیے عرب کا ایک تخیل وہ تھا جس کی تصویر عرب کے فصحا عکاظ کے میدان میں کھینچا کرتے تھے۔ اور ایک تخیل وہ ہے جو اسلام نے پیدا کر دیا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ عرب کے وہ ٹکسالی محاورے، وہ ٹکسالی الفاظ، اور الفاظ کے وہ ٹکسالی مفہوم جو زمانۂ جاہلیت میں عکاظ کے میدان میں گونجا کرتے تھے اُن ہی سے کام لے کر قرآن کے مطالب اور علم و حکمت کے نکات بیان کر لئے جاتے۔ علم و حکمت کے اعتبار سے آج

آپ کے سامنے بھی اِس قسم کا تخیل ہے جس سے آپ کی زبان آشنا نہیں۔ اور آپ کی زبان کے ٹکسالی محاورے، ٹکسالی الفاظ، اور الفاظ کے ٹکسالی مفہوم جن بولیوں کے لئے مخصوص ہیں وہ بولیاں بھی آپ کی نگاہ میں ہیں۔ پھر خود انصاف فرمائیے کہ یہ بولیاں بول کر میں علم و حکمت کے مسائل کس طرح بیان کروں!! لامحالہ آپ کی اُردو کو بھی علم و حکمت کے سامنے اُسی طرح جُھک جانا پڑیگا جس طرح دُنیا کی دوسری زبانیں جُھک جایا کرتی ہیں۔ اور اگر آپ اپنی زبان کے اُن ہی ٹکسالی محاوروں، ٹکسالی الفاظ اور الفاظ کے ٹکسالی مفہوموں کو قائم رکھنا چاہتے ہیں جو علم و حکمت کے مطالب بیان کرنے سے عاجز ہیں تو میرے مخدومو! پھر آپ کی زبان حیوانِ ناطق کی زبان نہیں بلکہ محض چرندوں اور پرندوں کی زبان ہے جو ہمیشہ اور ہر حال میں وہی بولیاں بولتے آئے ہیں اور بولتے رہینگے جو ابتدائے آفرینش میں اُنہیں سکھا دی گئی تھیں۔

دوسرا گروہ پہلے گروہ کی پیدا کی ہوئی بندشوں کا تو پابند نہیں۔ لیکن ظاہر کی آرائش کو فن کی ضروریات پر بہر نوع مقدم سمجھتا ہے۔ اور عالمانہ اصطلاحات میں اِس حد تک عامیانہ "ہلکا پن" تلاش کرنا چاہتا ہے کہ علمی ضروریات کو عوام کے فہم و ادراک پر قربان کر دیتا ہے۔ پھر اِس سے آگے بڑھتا ہے۔ تو جہاں اِس قسم کے دو لفظ نگاہ کے سامنے آجاتے ہیں

جن میں ایک، فن کے مطالب بیان کرنے کے لئے زیادہ موزوں نظر آتا ہے اور دوسرے میں شاعرانہ انداز زیادہ نمایاں ہوتا ہے، وہاں پہلے کو رد کر دیتا ہے اور دوسرے کو ترجیح کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہ خیال حقیقت میں ایک پُرانی بحث کا شاخسانہ ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ الفاظ کے رنگ روپ اور حسن و خوبی کو ترجیح کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے یا مضمون کی عمدگی اور جدت و نُدرت کو؟ یہ بحث شاعری کے متعلق پیدا ہوئی اور اہل الرائے کے گروہ نے زیادہ تر الفاظ ہی کو ترجیح کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ اِس بحث کا دائرہ شاعری تک محدود کر دیا جائے تو یہ بحث ایک حد تک بے ضرر متصور ہو سکتی ہے۔ لیکن اِس بحث کو اگر یہاں تک وسعت دے دی جائے کہ تمام علوم و فنون اِسی کی پیٹ میں آجائیں تو پھر کیا یہ ممکن ہے کہ علوم و فنون کے لئے ترقی کی گنجائش باقی رہے؟

وہ علوم جو آج ہمارے پیشِ نظر ہیں اور جنہیں ہم اُردو زبان میں منتقل کرنا چاہتے ہیں اول تو اُن کے مطالب ہی اِس قسم کے ہیں کہ اُردو زبان، اور اُردو بولنے والوں کا تخیل بحکمِ عموم، اُن سے آشنا نہیں اور دوسری مشکل یہ ہے کہ اُن کا انداز اِس قسم کا ہے کہ ترقی کی راہیں خود بخود پیدا ہوتی جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ روز بروز نئے نئے مضامین اور نئے نئے خیالات پیدا ہو رہے ہیں۔ جب واقعات کی یہ صورت

ہو تو کیا یہ ممکن ہے کہ جو لوگ اُردو کو علم و حکمت کا مخزن بنا دینا چاہتے ہیں وہ ہماری بے فکری کے زمانہ کی پیدا کی ہوئی خوش وقتیوں کے پرستار بن کر منزلِ مقصود پر پہنچ جائیں؟

تیسرے گروہ میں وہ اہلِ فن ہیں جن کے کام و دہان زبان کی لذت سے بھی آشنا ہیں۔ اِن کے ساتھ وہ اربابِ بصیرت بھی ہیں جو طبیعیات اور کیمیا وغیرہ سے تو واقف نہیں لیکن اُن کے دل و دماغ علوم وفنون کی مشکلات سے ضرور واقف ہیں۔ افسوس ہے کہ اِس قسم کے اہلِ فن اور اربابِ بصیرت آج ہندوستان میں صرف خال خال ہیں۔ اِس لئے یہ توقع نہیں ہوسکتی کہ سرِ دست اِس گروہ کی رائے کو غلبہ نصیب ہو۔ تاہم اِتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ آخرِ کار میدان اِسی گروہ کے ہاتھ رہیگا۔ اِس گروہ کا فرض ہے کہ زبان کے ساتھ ساتھ علوم و فنون کی ضروریات کا بھی خیال رکھے اور فن کی ضروریات کو باقی تمام چیزوں پر مقدم سمجھے۔ پھر جہاں یہ موقعہ آجائے کہ کسی خارجی التزام کی پابندی سے نفسِ فن کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو، وہاں ضروریاتِ فن کو ترجیح کی نگاہ سے دیکھے اور نفسِ مضمون کے مقابلہ میں خارجی التزاموں کو ترک کر دے۔ آج اِس فراخ دلی اور بلند نگہی سے کام نہ لیا جائیگا تو کل خود بخود یہ حال ہو جائیگا کہ زمانہ کی پیدا کی ہوئی مجبوریاں ہمیں جبراً اِس راہ پر لے آئینگی یا ہمیں اِس بات پر مجبور کر دینگی کہ اِن بلند ارادوں

کو جو آگے چل کر ہماری قومی اور ملکی زندگی کے لئے مایۂ حیات بننے والے ہیں ترک کر دیا جائے۔

اِس مضمون کے متعلق جو کچھ میرے فہمِ ناقص میں آیا ہے وہ آپ کے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔ اِس میں جہاں تک ممکن تھا ضروریاتِ فن کے ساتھ ساتھ زبان کے اصول و قواعد کا بھی پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اب **بلاغتِ فن** کے **نکتہ شناس** اِس بات کا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ میری تجویزیں **کیمیا** کے لئے کہاں تک موزوں ہیں اور اِن سے کامیابی کی راہیں کہاں تک روشن ہو جائینگی۔ وما توفیقی الّا باللہ العلی العظیم۔

برکت علی

ذیل میں اُن چند عناصر کے انگریزی نام درج ہیں جن کا اس رسالہ میں ذکر آیا ہے۔ اِن کے سامنے وہ نام بھی لکھ دئے ہیں جو اُردو میں اِن کے لئے اختیار کئے گئے ہیں۔ اِس سے ناظرین کے لئے مطالب کے سمجھنے میں سہولت ہو جائیگی۔

کجلین	Carbon
سبزین	Chlorine
تانبا	Copper
حمضین	Hydrogen
بنفشین	Iodine
لوہا	Iron
مغنیسیہ	Magnesium
شُرجین	Nitrogen
مائین	Oxygen
زُہرین	Phosphorus
قلویہ	Potassium
نطرونیہ	Sodium
گندک۔ کبریت	Sulphur